قال تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (الآیۃ)

فکیف وودّی ماحییت ونصرتی لآل رسول اللّٰہ زین المحافل
(حسان ابن ثابتؓ فی مدح ام المؤمنین عائشۃ صدیقۃؓ)

زین المحافل شرح الشمائل للترمذی

جلد دوم

افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث ومہتمم جامعہ دار العلوم حقانیہ

ضبط وترتیب
مولانا اصلاح الدین حقانی

نظر ثانی وحاشیہ
مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

ناشر: مؤتمر المصنفین جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جملہ حقوق بحق مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک محفوظ ہیں

نام کتاب : زین المحافل شرح الشمائل للامام الترمذی

افادات : شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
استاد الحدیث ومہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

ضبط وترتیب : مولانا اصلاح الدین حقانی
استاد الحدیث جامعہ اسلامیہ لکی مروت

نظر ثانی وحاشیہ : مولانا مفتی مختار اللہ حقانی
مفتی واستاد شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کمپوزنگ : محمد اکمل، بابر حنیف جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

صفحات : جلد اول:532 جلد دوم:526

طبع اول : اپریل ۲۰۰۷ء

ناشر : مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

طابع : المطبعۃ العربیہ، لیک روڈ پرانی انارکلی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
﴿باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ﴾	13	تنبیہ	47
داعی کے طرز تکلم کے خصوصیات	13	﴿باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ ﷺ﴾	51
حضور اقدس ﷺ کے کلام کا ادبی معیار	14	جائز مزاح کے شرائط	51
داعی کے کلام میں تکرار کی اہمیت	16	ذالاذنین کا مطلب	53
تصریف آیات کی حکمتیں	16	مزاحی جملوں میں بھی حقائق کا سمندر	54
تکرار کی اہمیت	17	حضرت ابوعمیرؓ	54
حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا جذبۂ دعوت	17	بعض مسائل مستنبط	55
نبی کریم ﷺ اور احساس ذمہ داری	20	حضرت زاہرؓ اور حضور اقدس ﷺ کی بے تکلفی	58
بزرگان دین کا انہماک فی الدین	21	بادیہ اور حاضرہ	59
تمام نعمتیں قابل قدر ہیں	25	حضرت حسن بصریؒ	61
شخصیت کیا تھی	29	﴿باب ماجاء فی صفۃ کلام رسول اللہ ﷺ فی الشعر﴾	64
﴿باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ ﷺ﴾	30	حکمت الٰہی کی وجہ سے آپ ﷺ کا شعر و شاعری سے دور رہنا	64
رسول اللہ ﷺ صرف تبسم فرماتے تھے	30	شعر کا حسن مرتبہ اس کے مضمون پر منحصر ہے	65
ہنسنے کی صورتیں	31	حضور اقدس ﷺ کی بعض شعراء کی قدر افزائی	66
حضرت ابوذر غفاریؓ	34	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ	67
کفر کی وجہ سے نیکیوں کا ضائع ہونا	37	زمانہ بڑا معلم ہے	69
أتذکر الزمان الذی کنت فیہ کا مطلب	40	بغیر زاد و اجرۃ خبر رسانی	69
کائنات کی وسعت پر سائنسدانوں کا اعتراف	41	لبیدؓ اور اس کی حق شناسی	70
ایک اشکال اور اس کا جواب	42	غیر مسلم شاعر کی مؤمنانہ کلام کی تحسین	70

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
جندب بن سفیانؓ	72	آٹھویں عورت	111
آپ ﷺ کے کلام موزوں یا شعر کہنے کے توجیہات	73	نویں عورت کی مدحت انگیز رائے	112
غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کا کلام رزمیہ	75	دسویں عورت کی مدح سرائی	113
غزوۂ حنین کی مجموعی حالت	75	گیارویں عورت حدیث کی محوامّ زرع	115
تفاخر بالنسب کی حقیقت	77	امّ زرع کا دوسرا شوہر	121
عمرۃ القضاء اور ابن رواحہؓ کے اشعار	79	حضرت عائشہؓ نگاہ رسول اللہ ﷺ میں	124
حضور اقدس ﷺ کے مجالس میں شعر وشاعری	81	حدیث سے مستنبط مسائل	124
غیر مسلم شاعر امیہ بن صلت کے ایمان افروز کلام کی تحسین	84	﴿باب ماجاء فی صفۃ نوم رسول اللہ ﷺ﴾	126
حسان بن صامتؓ اور ان کی جہادی شاعری کی تحسین	85	نیند کی کیفیت اور دعائیں	126
﴿باب ماجاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر﴾	90	نیند کی موت سے مشابہت	129
رات کی قصہ گوئی اور حدیث اللیل کی کراھیت میں تطبیق	90	نیند سے بیداری کی بعثت سے مشابہت	130
سمر میں اعتدال	91	دم ڈالنا اور پھونک مارنا	131
خرافۃ اور اس کی باتیں	93	نیند میں خراٹے	132
عورتوں کو صیغہ مذکور سے خطاب	93	کفران نعمت سے بچنے کا علاج	134
قبلہ عذرہ	94	روٹی کپڑا اور مکان صرف خدا دیتا ہے	134
حدیث امّ زرع	96	ابوقتادہؓ	135
عورتوں کے جبلی خواہش کی پاسداری	102	تعریس باللیل کے بعد وقت کا لحاظ	135
پہلی عورت کا جامع تبصرہ	103	﴿باب ماجاء فی عبادۃ رسول اللہ ﷺ﴾	137
دوسری عورت کا ذومعنی تبصرہ	104	صفۃ عبدیت	137
تیسری عورت کی رائے	106	بعثت سے قبل عبادت کی نوعیت	138
چوتھی عورت	106	عبادت میں مبالغہ اور مشقت شکر اُتھا	140
پانچویں کی معنی خیز باتیں	107	تورّم وانتفاخ قدمین	141
چھٹی کی ادیبانہ باتیں	108	صلوٰۃ اللیل اور عبادت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت	143
ساتویں عورت کی دوٹوک باتیں	110	ابن عباسؓ میں حضور اقدس ﷺ کے اعمال کے تعلیم وتعلم کا جذبہ	146

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
قیام اللیل میں مجاہدہ نفس	147	ضروری تنبیہ	173
ابن عباسؓ کے کان مروڑنے کی حکمتیں	148	انبیاء علیہم السلام کی نیند	177
فجر کی سنتوں کے بعد استراحت	149	ایک رکعت نماز نہیں	179
صلوٰۃ اللیل میں تعداد رکعات	151	تسبیح وتحمید	181
عبادت میں تدریج وتخفیف	152	پوری رات نماز میں آیت کی تلاوت	183
زید بن خالدؓ	154	قدرت کاملہ اور صفت رحمت کا استحضار	184
گھروں میں تاک جھانک	154	بوجہ ضعف بیٹھ کر نماز پڑھنا	185
حضور اقدس ﷺ کی عبادت شب کے کچھ نمونے	154	ایک ہی نماز قائماً وقاعداً پڑھنے کا مسئلہ	186
نماز تہجد کے رکعات اور اضطراب روایات	156	آپ ﷺ پر تہجد فرض تھی یا نفل	187
رسول اللہ ﷺ سے بیس رکعات تراویح پڑھنے کی تحقیق	156	نوافل کا اہتمام اور توسع	187
مقدمۂ اول	158	امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ	188
مقدمۂ ثانیہ	159	سنن مؤکدہ کی تعداد اور زوائد	190
حسن وطول صلوٰۃ	160	صلوٰۃ فجر کی سنتیں	193
مقدمہ ثالثہ	161	﴿باب ماجاء فی صلوٰۃ الضحیٰ﴾	199
مقدمہ رابعہ	162	ضحیٰ اور ضحوۃ	199
ابراہیم بن عثمانؒ کی توثیق	164	رشک کسے کہتے ہیں	200
غیر مقلدین کی ناانصافی	166	ثبوت صلوٰۃ الضحیٰ اور ابن عمرؓ کے بدعت کہنے کی توجیہات	200
دور فاروقیؓ میں بیس رکعات تراویح	167	ابن ابی لیلیٰ کے قول کا مطلب	202
دور عثمانیؓ میں بیس رکعات تراویح	168	حضرت عائشہؓ کی صلوٰۃ ضحیٰ کی نفی کی توجیہ	203
دور مرتضویؓ میں بیس رکعات تراویح	168	مواظبت اور ترک ضحیٰ کی حکمتیں	205
دیگر صحابہ کرام وتابعین کا عمل	169	صلوٰۃ ضحیٰ اور بے بنیاد عوامی باتیں	205
اجماعی ثبوت	169	عند زوال الشمس کا مطلب اور باب سے تطبیق	207
بیس رکعات تراویح پر مذاہب اربعہ کا اتفاق	170	﴿باب صلوٰۃ التطوع فی البیت﴾	211
احناف کی بعض کتابوں کے حوالاجات کا جواب	173	﴿باب ماجاء فی صوم رسول اللہ ﷺ﴾	213

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
رمضان کا وجہ تسمیہ	214	مالک اور ملک کی قرأت	240
نفل صوم وصلوٰۃ میں معمول کے اختلاف کی حکمتیں	216	قرءاۃ جہراً اور سراً میں اعتدال	241
مداومت اعمال اور ترک اعمال کے روایات میں تطبیق	217	عریش	242
نفل اعمال میں میانہ روی	218	عبداللہ بن مغفلؓ	243
وجہ تسمیہ شعبان	219	مسئلہ ترجیع	243
تعارض روایات کی توجیہ	219	خوش آوازی سے پڑھنا	243
ہر ماہ کے ابتداء کے تین اور جمعہ کا روزہ	222	غیر اختیاری ترجیع	244
روایات تعیین وعدم تعیین ایام میں تطبیق	223	تعارض روایات میں ترجیع	245
پیر اور جمعرات کے روزے اور عرض اعمال	224	﴿باب بکاء النبی ﷺ﴾	248
عرض اعمال کے ایام واوقات کا تعدد	225	رونے کی دس قسمیں	248
امۃ کی سہولت کے لئے تعداد وتعیین ایام میں توسیع	227	ازیز اور مرجل کے معنی	249
قریش کے نزدیک صوم عاشوراء کی اہمیت	228	وجد اور خوف کی حالت	250
دس محرم کے یادگار واقعات	228	کسی اور سے قرآن سننے کے فوائد	251
یہود کے ہاں اس دن کی عظمت	228	آپ ﷺ گواہوں کا گواہ بننے کے شدت احساس سے رونا	252
فرضیت رمضان سے قبل اور بعد میں صوم عاشورا کی نوعیت	229	استماع قرآن سے رونے کے اسباب	253
متابعت یہود کے وجوہات	229	تنبیہ	253
اعمال میں دوام واستقامت	231	کسوف وخسوف	255
اللہ کے لئے لفظ ملال کے اطلاق کا مطلب	232	ابراہیمؓ کی وفات	625
عوف بن مالکؓ	235	کسوف وخسوف کی حکمتیں	257
حدیث طول قرأۃ کا ترجمۃ الباب سے مناسبت	236	صلوٰۃ کسوف وخسوف اور فقہاء کے آراء	257
﴿باب ماجاء فی قرأۃ رسول اللہ ﷺ﴾	238	رکوع میں تعدد اور کیفیت میں وارد روایات	258
ایک ایک حرف ادا کرکے پڑھنا	238	احناف کے دلائل	259
حروف مدہ کے لحاظ	239	نفخ اور بکاء	260
وقفوں کے ساتھ قرأت	239	نزول مصائب میں استغفار وانابت	261

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اوہام جاہلیت کی تردید کے لئے خطبہ	261	نبی کریم ﷺ تواضع کے پیکر تھے	282
آیات سے اللہ کے ذریعے تخویف عباد	263	نبی کریم ﷺ کا کافر کی عیادت کرنا	284
کسوف کے وقت خطبہ مسنون ہے یا نہیں	263	حضرت عمرؓ کی تواضع کی مثال	284
کائنات کے طبعی اصول وضوابط قدرت الٰہی کے منافی نہیں	264	ایک فقہی اشکال	285
حضور اقدس ﷺ کے سامنے مرنے والی بیٹی سے کیا مراد ہے	265	رسول اللہ ﷺ کا ہر کسی کے دعوت پر جانا	287
امّ ایمنؓ	267	نبی کریم ﷺ کا زرع گروی رکھوانا	287
امّ ایمنؓ اور حضور اقدس ﷺ کے رونے میں فرق	267	صحابہ کے بجائے یہودی سے قرض	288
حضرت عثمان بن مظعونؓ	268	نبی کریم ﷺ نے صرف ایک حج کیا	289
لفظ اراق اور اھراق کی تحقیق	269	دور حاضر کے لیڈر اور شہرت پسندی	290
مرنے والی بیٹی رقیہؓ تھی یا امّ کلثومؓ	270	قیام تعظیمی کا حکم	291
لفظ مقارفۃ سے مراد	271	حضرت جمیع بن عمیرؒ	297
جماع نہ کرنے والوں کو ترجیح میں حکمت	271	حضرات حسنینؓ کی مسابقت	298
حضرت عثمانؓ پر لطیف تعریض	272	گھر میں ٹائم ٹیبل	300
غیر محرم کی عمل تدفین میں شرکت کا حکم	272	وجہ تعارف اور ذوق عبادت	301
امام طحاویؒ کی توجیہ	273	رہبانیت کی سیاہ تاریخ	301
حضور اقدس ﷺ کی اولاد	273	اصلاح امت کی فکر	302
﴿باب ماجاء فی فراش رسول اللہ ﷺ﴾	276	فرق مراتب	303
جعفر بن محمدؒ	278	جائز وناجائز سفارش کی نوعیت	305
آپ کے بستروں کے بارے میں روایات	278	لایعنی باتوں سے احتراز	307
﴿باب ماجاء فی تواضع النبی ﷺ﴾	280	مجسمہ حیاء وپیکر عفت	308
تواضع کا معنی	280	تلقین، تبشیر اور تنفر	309
فرعونیت کی وبا اور اس کی پہچان	281	قومی رہنما کا احترام	309
عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائی عقیدہ	282	اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے	311

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
خوش خلقی اور بداخلاقی	311	اعتراض نہ کرنے کی حد	342
بھلائی کی تحسین اور حالات حاضرہ سے اپنے آپ کو باخبر رکھنا	312	بے مثال حلم اور دریا دلی کی مثالیں	344
حزب اختلاف اور اختلاف میں اعتدال	312	انتقام لغت نبوی میں نہیں ہے	347
حاکم کی ذمہ داری	313	نبی کی بے حرمتی سے صرف نظر کیوں؟	348
امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا لطیفہ	314	اولین ترجیح امت پر سہولت	348
افضلیت ہم نشینی کا معیار	316	کیا نبی کریم ﷺ نے غیب کی؟	350
مصنوعی پروٹوکول	317	حکمتوں پر مبنی مدارات	351
مجلس میں بیٹھنے کے آداب	318	کلام نبوی ﷺ کا مقصد	352
وفود کے ساتھ انداز تخاطب	318	بشاشت نبوی ﷺ	354
صبر کا عمدہ نمونہ	319	شوق استماع	359
سائل کی حاجت برآری	320	ہر بولنے والے کی قدر	360
حضور اقدس ﷺ نوع انسانیت کے لئے بمنزلہ باپ	320	تحمل کا نمونہ	360
اقوام عالم کی تاریخی اسمبلی	321	شوق علم	361
﴿باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ﴾	332	رمضان اور سخاوت میں اضافے کا سبب	365
حقیقت اخلاق	332	لقاء جبرئیل کے اثرات	366
حسن خلق کا مصداق	332	ہواؤں سے تشبیہ ناقص ہے	366
اخلاق کسبی ہیں یا وھبی	332	حضور اقدس ﷺ کی مادی سخاوت اور فیاضی کی مثالیں	366
اخلاق نبوی ﷺ کا کمال	333	کمال توکل کی وجہ سے عدم ادخار	367
حضرت زید بن ثابتؓ	335	انفاق میں احتیاط کی ناپسندیدگی	369
احاطہ اخلاق نبوی ﷺ ناممکن	335	کیا ہدیہ کا بدلہ واجب ہے؟	371
حضرت عمرو بن العاصؓ	337	﴿باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ ﷺ﴾	373
تالیف قلب کی حکمت	338	حیاء کا لغوی اور اصطلاحی معنی	373
خندہ پیشانی نہ کہ مدح سرائی	338	حیاء اور پردہ فطری عمل ہے	374
عنایت نبوی ﷺ خدام پر	340	نبی کریم ﷺ حیاء کے پیکر تھے	375

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
﴿باب ماجاء فی حجامۃ رسول اللہ ﷺ﴾	378	حضرت ابوالہیثمؓ	407
علاج توکل کے خلاف نہیں	378	زعب کا مطلب	409
حجامت مجرب طریقہ علاج	378	ابوالھیثمؓ کی مہمان نوازی	409
حجامت پر اجرت	379	کھجور طعام ہے یا فاکھہ	410
حجامت کئی بیماریوں کا علاج ہے	383	دودھ والے جانور کی ذبح	411
علاج کے لئے مناسب وقت ہونا چاہئے	385	مشورہ امانت ہے	411
﴿باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ﴾	387	معیار افضلیت	411
نبی کریم ﷺ کے اسماء پر مستقل کتابیں	387	وصیت اور قبول وصیت	412
حضرت جبیر بن مطعمؓ	388	اچھی بیوی دنیا کی بڑی نعمت	412
امت پر خصوصی رنگ احمد کا حاوی ہے	389	اچھا اور برُا ساتھی	413
مٹانے والا ماحی	390	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پہلا تیر انداز	414
بنی نوع انسان کو جمع کرنے والا	391	غزوۂ خبط وسیف البحر	415
آخری نبی	391	حضرت سعدؓ پر نکتہ چینی کا پس منظر	415
رحمت کائنات	392	حضرت عمرؓ کا بعثۃ عتبۃ	418
توبہ کے حقیقی راستے	393	حضرت عتبۃ بن غزوانؓ	418
تابع ومتبوع	394	شہر بصرہ کا قیام	418
جہاد کو زندہ کرنے والے	394	کافر حاکم صاحب فرات سے جہاد	419
﴿باب فی عیش النبی ﷺ﴾	397	حضرت عتبہؓ کا طویل خطبہ	420
اکل وشرب لازمہ حیات مگر اعتدال اور سادگی	397	مشرکین کا حضور اقدس ﷺ کو ڈرانا دھمکانا	421
اہل بیت کی تنگدستی	399	ضعف کا مطلب	422
فقر اختیاری	400	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	424
پیٹ پر پتھر	401	شبع اور نفی شبع تعارض کا حل	425
حضور اقدس ﷺ کو بھوک کے احساس پر اشکال اور جواب	401	خلاصہ باب	426
شیخین کی تنگدستی	406	﴿باب ماجاء فی سن رسول اللہ ﷺ﴾	427

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
حضرت دغفلؓ	430	حدیث سالم میں تفصیلات	460
﴿باب ماجاء فی وفات النبی ﷺ﴾	433	سالم بن عبیدؓ	463
آغاز مرض	433	اغماء نبوت کے منافی نہیں	464
موت کے دروازے پر بے پناہ صبر واستقامت	434	اقامۃ صلوٰۃ اور حاکم وقت کی ذمہ داری	464
مرجع امۃ صدیق اکبر بنے رہے	435	صواحبات یوسف سے تشبیہ	465
امت کا حالت سجدہ میں آخری مشاہدہ	436	وجہ تشبیہ	465
مصحف قرآن سے رخ زیبا کی تشبیہ	437	اقتداء ابوبکر اور امامت ابی بکر کی تاکید	466
امامت ابی بکر	437	حضرت عمرؓ حواس گم کر بیٹھے	467
آخر یوم پر اشکال کا حل	438	سید صاحب کی شہادت کا جان نثاروں پر اثر	467
حالت نزع میں طہارت اور پردے کا اہتمام	439	جنگ اکوڑہ خٹک	468
گود عائشہؓ کی یا علیؓ کی	439	صحابہؓ کا وفات انبیاء سے پہلا واسطہ	469
نبی کریم ﷺ کی سکرات الموت	442	ابوبکر صدیقؓ کے لئے صدمہ اولیٰ	470
شدائد موت غیر مقبولیت کی علامت نہیں	442	صدیقؓ کی صداقت اور صحابیت مسلّم تھی	470
آپ ﷺ کا عالم نزع بھی امت کے لئے اسوۂ حسنہ	443	انفرادی جنازہ کیوں؟	471
موت کی آسانی قابل رشک نہیں	444	غسل کس نے دیا؟	471
ابوبکر صدیقؓ	445	تکفین	472
تدفین میں اختلاف	447	تدفین	473
مدفن نبی کا انتخاب خدائی ہوتا ہے	449	خلافت صدیقی پر اجماع	473
ابوبکر صدیقؓ کا بے پناہ صبر واستقامت	450	فاطمہؓ کا درد وکرب	474
ابوبکر صدیقؓ پر فراق نبوی ﷺ کا اثر	451	تسلی کا انداز	475
مقام صدیقؓ	452	صدمہ عظمیٰ میں غمگساروں کے لئے تسلی کا سامان	476
نبی کریم ﷺ کی تدفین سے انوار میں کمی	454	خلاصہ باب	478
تدفین میں تاخیر کا سبب	456	﴿باب ماجاء فی میراث النبی ﷺ﴾	480
حضرت ابوسلمہؓ	458	رسول اللہ ﷺ نے مالی وراثت نہیں چھوڑی	480

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
رسول اللہ ﷺ کی ذخیرہ اندوزی سے نفرت	480	معتدل متوازن سراپا	508
ترکہ میراث نہ بننے کی حکمتیں	482	سندی بحث	509
خمینی کی ملحدانہ باتیں	485	فقد رأی الحق	510
ایرانی انقلاب صیہونی انقلاب	485	رویائے صادقہ اور جزئیت نبوت	511
میراث کے سلسلے میں شیعوں کا موقف	486	خاتمہ	514
نبی اکرم ﷺ کا دیگر ترکہ	490	حضرت عبداللہ بن مبارکؒ	514
﴿باب ماجاء فی رؤیۃ النبی ﷺ فی المنام﴾	499	قضاء اور مراحل زندگی میں وحی اور آثار کا اتباع	515
خواب کیا ہے؟	499	تعبیر خواب میں اتباع آثار	515
رویۃ نبی سچا خواب ہے	500	سند کی اہمیت	516
اصل صورت میں نہ دیکھنے کی وجہ	501	اساتذہ و مشائخ کے انتخاب میں احتیاط	516
شیطانی تصرف سے تحفظ کی وجہ	503	میرا سلسلۂ سند	518
حضرت طارق بن اشیمؓ	504	فہرست رواۃ حدیث	519
حضور اقدس ﷺ سے حسنؓ اور حسینؓ کی مشابہت	505		

۳۴. باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ

حضور اقدس ﷺ کے اسلوب کلام کے بیان میں

اس باب میں نبی کریم ﷺ کی باتیں کرنے کے بارے میں احادیث لاکر واضح کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا گفتار اور لہجہ کیسا تھا۔ ہر شخص کا اپنا طرز تکلم ہوتا ہے۔ بعض لوگ تیز بولتے ہیں۔ بعض آہستہ آہستہ بولتے ہیں۔ بعض لوگ جملے درمیان میں کاٹ کر بولتے ہیں ایسے لوگوں کا کلام عموما مبہم اور مغلق ہوتا ہے۔

<u>داعی کے طرز تکلم کے خصوصیات:</u> بہرحال چونکہ بات سمجھانا بولنے پر موقوف ہوتا ہے۔ اور پیغمبر داعی ہوتا ہے۔ تو ہر داعی کے لیے ہر دور میں کلام پر عبور ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کا طرز تکلم مؤثر ہو۔ اس کی تعبیر فصاحت و بلاغت سے بھی کر سکتا ہو۔ گویا داعی کو فصیح اللسان ہونا چاہیے(۱)۔ اس لیے کہ دعوت کی عمارت زبان و کلام اور وعظ و تبلیغ پر کھڑی ہے۔ عوام سے تعلق کی بنا پر نبی کریم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دعوت کے بہترین طرز تکلم اور ادائے مراد کی ساری خوبیاں عطا فرمائی تھیں۔ فصاحت و بلاغت کے درجہ علیا پر آپ ﷺ فائز تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے مخاطبین میں سے جاہل سے جاہل اور غبی سے غبی بھی آپ ﷺ کی بات کو آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ اور سیئی الحفظ (کم حافظے والا) آدمی کو آپ ﷺ کی بات یاد ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ کا کلام اتنا واضح ہوتا تھا کہ ہر ان پڑھ آدمی کے دل و دماغ تک پہنچ جاتا تھا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کو یہ بھی منظور تھا کہ آپ ﷺ کی ہر بات قیامت تک محفوظ بھی رہے۔ یہ فقط نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی۔ حفاظت حدیث کے دیگر انتظامات کے ساتھ ساتھ ایک بڑا حصہ اس بات کا بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کلام کا اسلوب جداگانہ اور فصاحت درجہ کمال پر ہے۔ آپ ﷺ ہمارے زمانے کے مقررین کی طرح چرچر کرنے والے نہیں تھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے۔

---

(۱) اسی لیے حضرت موسیٰ نے جب ہارونؑ کے لیے نبوت طلب فرمائی۔ تو فصاحت کو بھی اپنی طلب کا مدار بنایا فرمایا "واخی هارون هوا فصح منی لسانا فارسله معی ردأ یصدقنی انی اخاف ان یکذبون(قصص آیت ۳۴)مرتب.

آپ ﷺ کا کلام سمجھ میں بہت جلد آتا تھا۔ اور اسی وجہ سے علم ادب کے علماء نے آپ ﷺ کا کلام ادب اعلیٰ کے لیے منتخب کیا ہے اور متحیر ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے کلام کا ادبی معیار: نثری ادب میں نبی کریم ﷺ کا کلام جتنا مؤثر و دلنشین ہے۔ اور جتنا ادبی جواہر پاروں پر مشتمل ہے۔

زمانہ جاہلیت سے لے کر آج تک کسی بھی ادیب کا کلام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور عرب کے بعض علماء نے بھی آپ ﷺ کے کلام واحادیث کا اس تناظر میں استقراء اور تتبع کیا۔ اور اس عنوان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جن کو دیکھ کر یہ بات خوب عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کا طرز کلام اور بات کرنے کا انداز کتنا خوبصورت تھا۔ علماء میں بھی وہی علماء کامیاب ہوتے ہیں جو زمانہ کے انداز اور تقاضوں کے مطابق بات کرسکیں۔ دلنشین اور مؤثر انداز کلام ہمارے اکابر کا شعار رہا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ، مولانا نانوتویؒ اور دوسرے اکابر کو دیکھیں۔ جن کے فصیحانہ اور ادیبانہ خطبے آج بھی موجود اور مشعل راہ ہیں۔ تو گویا یہ باب کیفیۃ کلام رسول اللہ ﷺ یا اسلوب کلام رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کرتا ہے۔

(۱) حدثنا حميد بن مسعدة البصری ثنا حميد بن الأسود عن أسامة بن زيد عن الزهریّ عن عروة عن عائشةؓ قالت ما كان رسول اللهﷺ يسرد سردكم هذا ولكنّه كان يتكلّم بكلام بين فصلٍ يحفظه من جلس إليه(۱).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمہاری طرح مسلسل جلدی جلدی باتیں نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ واضح اور جدا جدا الفاظ بولا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام ہر سامع کو یاد ہو جاتا تھا۔

---

(۱) سنن ابی داؤد ۳۱۷/۲ کتاب الادب باب الهدی فی الکلام، جامع ترمذی ۲۰۵/۲ کتاب المناقب باب فی صفة رسول اللهﷺ، السنن الکبریٰ للنسائی ۱۰۹/۶ کتاب عمل الیوم واللیلة باب سرد الحدیث(مختار)

ما کان رسول اللہ ﷺ یسرد کلامکم ھذا سَرْد یسرد تسلسل کے ساتھ کسی چیز کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کو کہا جاتا ہے۔ اگر بغیر تحقیق وتشریح کے تیزی کے ساتھ حدیث کی قراءت ہوتی ہے۔ تو اسے بھی **سرد الحدیث** کہتے ہیں۔ جس طرح کہ ہمارے اکابر کے زمانے تک حدیث کے درس کا طرز یہی تھا۔ بہر حال جو شخص تیزی سے درمیان میں سانس لئے بغیر تسلسل کے ساتھ بولے۔ اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں **فلانٌ یسردُ سرداً**۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ تمہاری طرح تیز تیز باتیں نہیں کرتے تھے(۱)۔ لگاتار بغیر وقفے کے نہیں بولتے تھے۔ کہ بعض الفاظ سامع بالکل نہ سمجھ پائے۔ جس طرح رمضان میں بعض حافظ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ ان کی ایک آیت بھی پوری نہیں سمجھی جاسکتی۔ **ولکنّہ کان یتکلّم بکلام الخ** یعنی آپ ﷺ واضح اور بیّن کلام کیا کرتے تھے۔ جدا جدا اور مفصول کلام کے ساتھ وقفوں میں بولتے تھے۔ قرآن کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **انہ لقول فصل** یعنی یہ کلام فصل ہے۔

اسی طرح قرآن کی آیات کو آیات **مفصلات** کہا گیا ہے۔

یحفظہ من جلس الیہ الیٰ اس مقام پر عند کے معنی میں ہے۔ یعنی **من جلس عندہ** اور جلوس سے بھی حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص ان کے کلام کو سنتا۔ اگر چہ وہ کافر نامراد کیوں نہ ہو۔ سنتے ہی وہ آپ ﷺ کے کلام کی تہہ تک پہنچ جاتا۔ گویا آپ ﷺ کے ہاں کا متعلم جیسے بھی ہوتا ذہین یا متوسط یا غبی ہر کسی کو آپ ﷺ کی بات یاد ہو جاتی تھی۔ جو شخص آرام سے بولتا ہے اس کی بات مخاطبین کو یاد ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث تمام کی تمام محفوظ ہو چکی ہیں۔

(۲) حدثنا محمّد بن یحیٰی ثنا أبو قتیبة سلم بن قتیبة عن عبداللّٰہ ابن المثنٰی عن ثمامة عن أنس بن مالک قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یعید الکلمة ثلاثاً لتعقل عنہ(۲)۔

---

(۱) صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے۔ فرماتی ہیں **کان یحدث حدیثا لو عدا لعاد لاحصاہ. (مختار)**

(۲) صحیح بخاری ۱/۲۰ کتاب العلم باب من اعاد الحدیث ثلاثاً الخ، جامع ترمذی ۲/۱۰۱ کتاب الاستیذان باب ماجاء فی کراھیة ان یقول علیک السلام، المستدرک للحاکم ۴/۲۷۳ (مختار)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اہم) بات کو تین مرتبہ دہراتے تھے۔تا کہ بات ذہن نشین ہوسکے۔

داعی کے کلام میں تکرار کی اہمیت: **یعید الکلمة ثلثا** یہ عموماً خطبوں اور وعظ وتقریر کے دوران ہوتا تھا۔آپ ﷺ بات کو کئی بار اس لیے دہراتے تھے تا کہ سب لوگ اسے سمجھ لیں۔اور اس میں غور وتدبر کریں(۱) گاہے گاہے مضمون ایسا ہوتا ہے کہ اس کا دماغ میں اہتمام کے ساتھ بٹھانا مقصود ہوتا ہے۔مثلاً ایک بار کبائر کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے جب **شهادة الزور** (جھوٹی گواہی) کا ذکر کیا۔تو اس کی اہمیت کی بناء پر بار بار فرمایا **وشهادة الزور، وشهادة الزور.** راوی کہتے ہیں کہ حتیٰ کہ ہم آپ ﷺ کے خاموش ہونے کی تمنا کرنے لگے۔تو حسب ضرورت آپ ﷺ کبھی دوبار اور کبھی تین مرتبہ جملے کا تکرار فرما لیتے تھے۔اس لیے کہ ہادی، مبلغ اور داعی کا مقام شفیق باپ جیسے ہوتا ہے۔جو اپنی اولاد کی خیر خواہی کے لیے تکرار واصرار تو کیا اس سے بھی آگے چلا جاتا ہے۔اس کے برعکس قانون کی زبان اور طرح کی ہوتی ہے۔ وہ تو مجمل سے مجمل الفاظ ذکر کرتا ہے۔اور وہ بھی صرف ایک بار اس کے بعد جبر وتشدد کا نمبر آتا ہے۔لیکن جو سمجھانا چاہتا ہے۔وہ تکرار سے تھکتا نہیں۔بار بار سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔اسی تکرار کی تعبیر قرآن میں یوں ہوتی ہے کہ **وصرّفنا الآيات لعلهم يرجعون** (احقاف ۲۷) ترجمہ: اور ہم نے بار بار نشانیاں بیان کردیں تا کہ وہ رجوع کریں۔

كذالک نصرف الآيات لقوم يشكرون. (اعراف ۵۷)

ترجمہ: اسی طرح ہم طرح طرح کی نشانیاں بار بار بیان کرتے ہیں۔ان لوگوں کے لیے جو شکر ادا کرتے ہیں۔

تصریف آیات کی حکمتیں: **تصريف الآيات** قرآن کے موضوعات میں سے ایک مستقل موضوع ہے۔اور بکثرت ایسے امور ہیں۔جنہیں اسی حکمت کے تحت بار بار دہرایا گیا ہے۔مثلاً حضرت آدمؑ کا قصہ بار بار مختلف پیرایوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ متعدد مقامات میں مذکور ہے۔

---

(۱) قال البيجوريؒ وحكمته انّ الاولىٰ للاستماع والثانية للوعى وقيل للتنبيه والثالثة للتفكر و قيل للامر (المواهب اللدنية ص ۱۶۱)(مختار)

تکرار کی اہمیت: ظاہر بین لوگ تو اس تکرار پر اعتراض کریں گے کہ یہ شنیع ہے۔لیکن اس کا جواب وہی ہے کہ تکرار اصول وقوانین کی ترتیب میں شنیع ہو۔تو ہولیکن مبلغ کے لیے اس میں کوئی عیب نہیں۔وہ تو چاہتا ہے کہ مخاطب میں انقلاب آئے۔اور بات اس کے دماغ میں بیٹھ جائے۔تو وہ اگر سو بار بھی مناسب سمجھے اپنی بات دہراتا رہے گا۔اس سلسلے میں قرآن کا بھی دوسرے کتب سے موازنہ کرنا غلط ہوگا۔کیونکہ یہاں تو دعوت وہدایت مقصود ہے۔اس لیے تکرار کی یہاں گنجائش بلکہ ضرورت ہے۔اور اسی لئے نبی کریمﷺ بھی تکرار کیا کرتے تھے۔حضرت تھانویؒ نے بعض مواعظ میں ایک مثال کے ذریعے یہ بات واضح فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک بوڑھے شخص کا ایک جوان بیٹا تھا اور حسب عادت بڑھاپے کی حالت میں جوان بیٹے والدین سے نالاں رہتے ہیں۔بے حوصلہ ہو جاتے ہیں۔بات بات پر ان کو دھتکارتے رہتے ہیں۔ ایک دن ایک کوّا کہیں بیٹھا تھا۔باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے؟ بیٹا بولا کوّا ہے۔اس نے پھر پوچھا تو بیٹے نے ذرا زور سے جواب دیا کہ کوّا ہے۔تیسری بار پھر پوچھا تو اس نے کہا کہ بات سمجھتے نہیں بس شور مچا رکھا ہے کیا ہے؟ کیا ہے؟ بیسیوں مرتبہ تو کہہ چکا ہوں کہ کوّا ہے۔پھر جب اگلی مرتبہ اس نے پوچھا تو خوب ڈانٹا۔باپ نے یہ سنا تو بیٹے کو ایک چابی دیدی اور کہا کہ جاؤ وہاں ایک صندوق میں ایک تختی پڑی ہے وہ لے آؤ۔بیٹا تختی لے آیا۔اس پر ایک سو لکیریں تھیں۔باپ نے کہا کہ بیٹا جب تم چھوٹے تھے تو ایک دن میرے ساتھ بیٹھے تھے ایک کوّا آکر سامنے بیٹھا تو تم نے پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کوّا ہے تم نے پھر پوچھا میں نے پھر بتایا۔اس طرح تم نے سو مرتبہ پوچھا اور میں اسی طرح محبت سے جواب دیتا رہا ساتھ ساتھ ہر جواب کے ساتھ اس تختی پر ایک لکیر بھی کھینچتا رہا۔لیکن آج میں نے تم سے صرف تین بار پوچھا تو چوتھی مرتبہ تم مارنے پر تل گئے۔

بہرحال جب والدین کی شفقت اتنی ہے کہ ایک سو مرتبہ سمجھانے سے نہیں تھکتے۔تو اللہ تعالیٰ کی محبت تو مخلوق کے ساتھ کروڑوں درجہ بڑھ کر ہے۔اسی طرح رسولﷺ کی شفقت بھی بے مثال ہے۔وہ بھی تو داعی تھے۔اور داعی اپنی دعوت میں بہت حریص ہوتا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا جذبہ دعوت: حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں آیا ہے کہ ایک

مرتبہ دہلی میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرمایا۔تقریر ختم ہوئی تو ایک آدمی انہیں ملا۔اس نے بتایا کہ وہ میلوں دور سے صرف آپؒ کی تقریر سننے کے لیے پیدل آیا تھا۔لیکن یہاں پہنچا تو آپؒ کی تقریر ختم ہو چکی تھی۔اس لئے بہت دکھ ہوا۔شاہ صاحب سمجھ گئے کہ دور سے آئے ہیں اور سچے طالب ہیں۔لہٰذا آپؒ نے فرمایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔میرے ساتھ آؤ۔چنانچہ جب سب لوگ چلے گئے۔تو آپؒ دوبارہ منبر پر بیٹھ گئے اور وہ ساری تقریر جو ابھی کی تھی اسی ایک آدمی کے سامنے اسی لہجے اسی تفصیل اور اسی محبت کے ساتھ دہرائی۔دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی جو مثال ان بزرگوں نے قائم کی تھی۔اس کی نظیر آج کے مقرروں میں کب ملتی ہے۔

یہ مسئلہ ایک ولولہ اور تڑپ کا متقاضی ہے۔دین اور دعوتِ دین کے ساتھ عشق ہو،مشن سے لگاؤ اور جذبہ ہو،تب یہ بات ممکن ہے تو دعوت کی غرض سے نبی کریمﷺ کا بھی یہی انداز تھا کہ کلمہ کو تین بار دہراتے۔

(۳) حدّثنا سفیان بن وکیع أنبانا جمیع بن عمرو بن عبدالرحمٰن العجلی ثنٰی رجل من بنی تمیم من ولد ابی ھالة زوج خدیجة یکنٰی أبا عبداللّٰہ عن إبن لأبی ھالة عن الحسن بن علی قال سالت خالی ھند ابن أبی ھالة وکان وصّافاً قلت صف لی منطق رسول اللہﷺ قال کان رسول اللّٰہﷺ متواصل الاحزان دائم الفکرة لیست له راحة طویل السکت لا یتکلّم فی غیر حاجة یفتتح الکلام و یختمه با شداقه و یتکلّم بجوامع الکلم کلامه فصل لا فضول و لا تقصیر لیس بالجا فی ولا المھین یعظّم النعمة ان دقّت لا یذمّ منھا شیئا غیر أنّه لم یکن یذمّ ذواقاولا یمدحه ولا تغضبه الدنیا ولا ما کان لھا فاذا تعدیٰ الحق لم یقم لغضبه شئی حتی ینتصرله لا یغضب لنفسه ولا ینتصر لھا اذا اشار اشار بکفه کلھا واذا تعجب قلّبھا واذا تحدّث اتّصل بھا وضرب براحته الیمنیٰ بطن ابھامه الیسری وإذا غضب اعرض

واشاح وإذا فرح غض طرفه جلّ ضحكه التبّسم يفترسن مثل حب الغمام(۱).

ترجمہ: حضرت حسن بن علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے جو نبی کریم ﷺ کے اوصاف کثرت سے بیان کرنے والے تھے۔عرض کیا کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی گفتگو کے انداز کے بارے میں بتائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ (امور آخرت کیلئے) بکثرت غم میں مبتلا رہنے والے تھے۔اور ہمیشہ امت کے لیے فکرمند رہتے تھے۔(دنیوی نعمتوں سے) آپ ﷺ کو راحت نہیں ملتی تھی۔ طویل خاموش رہنے والے تھے بلاضرورت بات نہیں کرتے تھے۔ بھرے منہ سے بات شروع اور بھرے منہ سے ختم کرتے تھے۔متکبرین کی طرح ہونٹوں کے نوک پر نہیں بولتے تھے۔یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے بات شروع اور اسی پر ختم کرتے تھے۔ کما فی نسخۃ۔(زیادہ معانی پر مشتمل) جامع الفاظ بولتے تھے۔آپ ﷺ کے بولے ہوئے الفاظ اور جملے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوتے تھے۔باتوں میں (بے مقصد) زائد الفاظ ہوتے نہ الفاظ مقصد سے کم تر ہوتے تھے۔درشت وسخت مزاج نہیں تھے۔نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے کسی بھی نعمت کو اگرچہ وہ تھوڑی ہو بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے۔اس کی مذمت نہیں کرتے تھے (بلکہ مدح کرتے تھے) البتہ کھانے کی چیزوں کی مذمت کرتے نہ (زیادہ) تعریف۔دنیا اور نہ دنیاوی اشیاء آپ ﷺ کو غصہ دلاتی تھیں۔مگر جب حق سے تجاوز کیا جاتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹکتی تھی۔جب تک آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لیتے تھے۔ اپنی ذات کے لیے نہ غصہ فرماتے تھے نہ اپنی ذات کے لیے انتقام لیتے تھے۔جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے۔جب تعجب کا اظہار فرماتے تو

---

(۱)سبق تخریجہ رقم حدیث ۷

ہاتھ پلٹ لیتے تھے۔جب بات کرتے تو (کبھی بات کے ساتھ) ہاتھ کو ہلایا کرتے تھےاور داہنی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ سے لگا لیتے تھے۔جب (کسی سے)ناراض ہوتے تو (حیا اور کرامت نفس کے وجہ سے) اعراض فرماتے تھے۔اور اس میں مبالغہ کرتے تھے۔جب خوش ہوجاتے تھے تو آنکھیں (گویا تواضعاً) بند فرماتے تھے۔آپ ﷺ کی زیادہ تر ہنسی تبسم ہوتی تھی۔(اس وقت) دانت مبارک اولوں کی طرح (سفید آبگین) دکھائی دیتے تھے۔

عن ابن لابی ھالۃ یہاں ابن سے ابن الابن مراد ہے جیسا کہ باب اول کی ساتویں حدیث کی سند کی تشریح میں ذکر کر چکے ہیں۔ان کا نام ہند تھا۔سند کی مزید تشریح پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

قلت صف لی منطق الخ یعنی نبی کریم ﷺ کے طرز تکلم کے بارے میں مجھے بتائیں کہ کس موقع پر وہ بولتے تھے اور کیسے بولتے تھے۔کس موقع پر خاموش رہتے تھے۔اور خاموشی کی کیفیت کیا تھی۔

نبی کریم ﷺ اور احساس ذمہ داری: **دائم الاحزان الخ** یعنی اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ بے فکر آدمی اور غیر ذمہ دار نہ تھے۔جو شخص زیادہ بے فکر ہو۔اسے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس نہیں ہوتا۔وہ ہر وقت ہنستا رہتا ہے،تالیاں بجاتا ہے گپ شپ لگاتا ہے۔بڑے لوگ ایسی باتوں کے لیے فارغ نہیں ہوتے۔بلکہ ان کی بات بھی حساب سے،اٹھنا بیٹھنا اور ملاقات کرنا سب کام ایک ٹائم ٹیبل کے تحت ہوتے ہیں۔پھر پیغمبر کا ہر قول ایک قانون بنتا جاتا ہے۔اور ہر قول ہدایت اور تبلیغ کا ذریعہ ہوتا ہے۔تو ایسی باتیں جن میں دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ان سے صادر نہیں ہوتی۔وہ فکر مند رہتے ہیں ان کو اپنے مشن اور اپنی امت کا غم ہوتا ہے۔خصوصاً نبی کریم ﷺ کے ساتھ امت کی فکر حد سے زیادہ تھی۔رات کے وقت روتے رہتے تھے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمادی۔**لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا(کھف ٦)** یعنی تجھے ان کی اتنی فکر ہے کہ شاید خود کو ہلاک کردو گے۔اور گھٹ کر مر جاؤ گے۔

بہر حال آپ ﷺ کی فکر مندی کا سبب اپنی ذمہ داری کا احساس اور امت کا غم تھا۔علامہ ابن قیمؒ

اور ابن تیمیہؒ نے اسی تشریح کو ترجیح دی ہے۔ اور ظاہر غمزدگی سے انکار کرتے ہوئے متعدد وجوہ اظہار غم کو رد کیا ہے۔ حتیٰ کہ حدیث پر بھی جرح کی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی اور اخروی غموں سے محفوظ رکھا تھا۔ ساتھ ساتھ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہنس مکھ اور خوش وخرم دکھائی دیتے تھے۔ جیسا کہ اگلے باب میں بھی آرہا ہے۔ جبکہ دیگر شراح نے تو اصل احزان کو حقیقت پر محمول کیا ہے۔ اور حدیث کی توجیہ یوں کی ہے کہ آپ ﷺ دل ہی دل میں ہمیشہ غمزدہ رہتے تھے۔ اس لیے کہ ذات وصفات الٰہی کا مشاہدہ جتنا بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی استغراق بلکہ خوف میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ بھی مسلسل ایک گونہ غم اور خوف کی کیفیت میں غرق رہتے تھے۔ اگرچہ یہ غم اور فکر چہرۂ اقدس پر کم ظاہر ہوتا تھا۔ کیونکہ روایات میں آپ ﷺ کی طلاقتِ وجہ اور کشادہ روئی کا واضح بیان موجود ہے۔

لیست له راحة یہ گزشتہ صفات کا ایک لازمی نتیجہ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ فکرمندی اور اشتغال قلب، راحت وفرحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ یعنی آپ ﷺ ان لوگوں کی طرح نہ تھے جن کو دنیاوی آسائشوں مثلاً باغ، بنگلہ، موٹر، ہوٹل، سینما اور تفریح گاہ میں خوشی اور راحت محسوس ہوتی ہے۔ البتہ آخرت کے کاموں سے آپ ﷺ کو مسرت ضرور ہوتی تھی۔ تو گویا معنی یہ ہوا کہ **لیست له راحة من امور الدنیا** یعنی دنیاوی آسائشیں آپ ﷺ کی راحت کا باعث نہیں تھی عبادات سے سرور ملتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ "**جعلت قرّة عینی فی الصلوٰة**(۱)" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ نیز فرمایا "**اقم الصلوٰة یا بلال ارحنا بها**(۲)" اے بلال نماز کے لیے بلاؤ۔ اور نماز سے ہمیں راحت دلواؤ۔

<u>بزرگان دین کا انہماک فی الدین:</u> آج بھی بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ امریکہ، ہالینڈ کے عیاشیوں سے بھرے بازاروں میں پھرتے ہیں۔ اور ان کو اس بات کی پرواہ تک نہیں ہوتی کہ یہ بازار ہیں۔ عورتیں ہیں مناظر ہیں اور سیر سپاٹوں کا مقام ہے۔ وہ اپنے بستر ے کو کندھے پر رکھے اپنی دنیا میں مستغرق ہوتے ہیں۔ دنیا کے امور سے انہیں کوئی راحت کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مشن

---

(۱)نسائی ج۲ ص ۹۲ باب حب النساء(مختار)

(۲)مشکوٰۃ ص ۱۱۹ کتاب الصلوٰۃ باب القصد فی العمل (مختار)

کسی کے پاس پہنچا دیں۔ جس طرح کسی طالبعلم کو امتحانات تدریس اور تبلیغ دین وغیرہ کی ذمہ داریوں کا احساس، زیب وزینت اور ٹھاٹ بھاٹ سے دور رکھتا ہے۔ جلسے جلوسوں اور احتجاج اور ایجی ٹیشنوں سے کتراتا ہے۔ کتابوں میں محو اور علمی مشاغل میں مگن رہتا ہے اور فضول مشغلوں میں تسکین محسوس نہیں کرتا۔ قرآن میں بھی آتا ہے کہ ان اللّٰہ لا یحبّ الفرحین یعنی دنیا سے تلذذ حاصل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت ترش رو رہتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ ملاقات اور باتوں کے دوران نہایت کشادہ رو نظر آتے تھے۔ لیکن وہ کیفیت بھی نہیں تھی جو دنیا داروں اور فرحین کا خاصہ ہے(۱)۔ آپ ﷺ ایسی بے لگام خوشی کو ناپسند فرماتے تھے۔

فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیراً ان کو ہنسنا کم اور رونا زیادہ چاہیے۔

طویل السکت ماقبل سے ضمناً آپ ﷺ کی خاموشی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ فکر مندی میں سکوت لازمی ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی صراحۃ اسے ذکر کر دیا۔ اس لیے کہ اصل مقصد اسی بات کا بیان ہے کہ عموماً آپ ﷺ خاموش رہتے تھے۔ اور سکوت غالب تھی بلکہ آپ ﷺ خاموشی کی بہت تاکید کے ساتھ تلقین کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ **من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیراً اولیسکت** (متفق علیہ) نیز ارشاد ہے "من صمت نجا" (ترمذی) جو خاموش رہا وہ چھوٹ گیا۔

بہرحال آپ ﷺ کی طویل خاموشی سے یہ استبعاد بھی دور ہو جاتا ہے کہ اتنے سارے احادیث عام لوگوں کو کیسے یاد ہوئے۔ وہ یوں کہ جب کوئی شخص اکثر خاموش رہتا ہے۔ کبھی کبھی بولتا ہے۔ تو بولتے ہوئے اس کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ سامعین کو بات اہم لگتی ہے اور اس طرح اس کی باتیں دلوں میں بیٹھتی جاتی ہیں۔

---

(۱) بعض شراح نے لیست لہ راحۃ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ پر کوئی وقت بغیر اطاعت الٰہی کے نہ گزرتا تھا۔ اور آپ ﷺ ہمیشہ عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اصلاح امت اور حق کی علمبرداری کی ذمہ داریاں اور دین کی سربلندی کے لیے تگ ودو بھی کرنی تھی۔ تو گویا آپ ﷺ ظاہری اور باطنی طور پر مصروف رہتے تھے۔ فراغت اور آرام وراحت کا موقعہ ہی نہیں تھا۔ (اتحافات ص ۲۷۴) (اصلاح الدین)

یختمه باشداقه بعض نسخوں میں یختمه باسم اللّٰه مذکور ہے۔اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے سے کلام میں برکت اور تاثیر میں اضافہ مقصود ہوتا ہے۔لیکن یہاں بالخصوص بسم اللہ کی جگہ ذکر اللہ سے ابتداء مراد ہونا چاہیے۔جبکہ موجودہ نسخوں میں باشداقه کا ذکر ہے۔اشداق شدق کی جمع ہے۔

شدق باچھ کو کہتے ہیں مگر اشداق جمع سے مراد یہاں پر تثنیہ یعنی شدقین لی گئی ہے۔اور مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ بھرے باچھوں سے بات شروع اور ختم فرماتے تھے۔

بعض اوقات مقرر یا مدرس ابتداء کلام آہستہ اور مدہم لہجے میں کرتا ہے۔حتیٰ کہ پانچ چھ منٹ تک اس کی بات سمجھی ہی نہیں جاتی۔اور بعض لوگ آخر میں بات کو کمزور اور سست لہجے میں کرتے ہیں۔کہ سمجھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔یا پھر درمیان میں انداز بیان کو بدل کر بلاضرورت محض تنوع پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اکثر مضر ہوتا ہے اور کبھی کبھی محض تکبر اور رعونت کی وجہ سے باتیں کرنے والا منہ کھولنے کی تکلیف نہیں کرتا۔اور بہت دھیمے انداز سے بولتا ہے۔یہ بھی سامع پر بوجھ بنتا ہے۔آپ ﷺ کی بات ایسی نہیں تھی۔ بلکہ آپ ﷺ کے کلام کی خوبی یہ تھی کہ ٹھہر ٹھہر کر اول سے لیکر آخر تک بات کرتے تھے۔جس کی وجہ سے کلام میں ابہام نہیں رہتا تھا۔اور یہی فصاحت کا تقاضا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنے میں آپ ﷺ مبالغہ سے کام لیتے تھے۔اور بتکلف جوش پیدا کرتے تھے۔جسے تشدق کہتے ہیں۔اور جو بعض مقررین کا انداز ہوتا ہے۔حدیث میں اس سے نہی اور کراہت مذکور ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کلام طبعی فصاحت وبلاغت کا حامل ہوتا تھا۔

بجوامع الکلم یعنی آپ ﷺ ایسے کلمات اور جملوں کا اپنے کلام میں استعمال فرماتے تھے۔جن میں نہایت درجہ کی جامعیت اور کثرت معانی ہوتا تھا۔آپ ﷺ کے جوامع الکلم کے کئی مجموعے محدثین حضرات نے جمع فرمائے ہیں۔اس سلسلے میں متعدد تالیفات بھی موجود ہیں۔ایک چھوٹا سا جملہ اتنے دقائق اور باریک نکتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔کہ درجنوں احکام ومعانی اور مسائل وحکم اس سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جوامع الکلم سے قرآن مجید مراد ہے۔جس طرح کہ دوسری جگہ اوتیت جوامع الکلم کی ایک توجیہ یہی ہے کہ قرآن مجید مراد ہے۔لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ

والا ظهر انّ المراد بها اعم فان المدح بها اتم یعنی ظاہر یہ ہوتا ہے کہ قرآن کی طرح احادیث بھی جوامع الکلم کا مصداق ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی مدح احادیث کی جامعیت میں زیادہ ہے۔ قرآن مجید تو کلام اللہ ہے۔ اس کی جامعیت اور حسن میں تو کلام نہیں ہے۔

لا فضول و لا تقصیر نہ آپ ﷺ کے کلام میں حشو وطویل ہوتا تھا کہ دل اچٹ جائے۔ اور ملال کا سبب بن جائے۔ اور نہ اتنا ایجاز واختصار ہوتا جو مقصد میں مخل ہو۔ اور اظہار مدعا سے قاصر رہے۔ اس جملے کے اعراب میں پانچ احتمالات ہیں۔ جیسا کہ لاحول ولاقوۃ میں بیان کیا جاتا ہے۔

لیس بالجا فی جفاء سے اسم فاعل ہے جو برا اور وفاء کی ضد ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ سنگ دل اور بدسلوکی کرنے والے نہ تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کا حسن سلوک اور نرم دلی اقرباء اور مؤمنین تک بھی محدود نہ تھی۔ آپ ﷺ کی رعایتوں اور حسن سلوک نے تو دشمن کفار کے دل جیت لیے تھے۔ اور یہی داعی کا بڑا وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظّا غليظ القلب لا نفضّوا من حولك (آل عمران ۱۵۹)

اور اس قسم کی دوسری صفتیں اگر چہ کلام کی صفتیں نہیں ہیں لیکن اخلاق سے تعلق کی بنا پر یہ کلام پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو آدمی ان اخلاق کا حامل ہوتا ہے اس کے کلام میں درشتی اور خشکی وخشونت نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ خشک مزاج نہیں تھے۔ اس لیے کلام میں بھی درشتی نہیں تھی۔ و لا بالمهين الخ میم مضموم ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ تحقیر واہانت کرنے والے نہ تھے۔ اپنے ہم مجلسوں کے، گویا باتوں میں بھی ایسے الفاظ سے گریز کرتے جن سے کسی کی اہانت ہوتی ہو۔ اور اگر میم مفتوح ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ ہلکی اور بے وقار شخصیت کے مالک نہ تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی طبیعت میں وقار اور حزم واحتیاط ہوتا تھا۔ حقیر نہ تھے۔ بلکہ عظمت نفس سے متصف تھے۔ اس صورت میں لیس بالجافی کے بعد یہ اضافہ بہت مناسب لگتا ہے۔ کیونکہ کبھی یہ تو ہم ہو جاتا ہے کہ جب آپ ﷺ جافی نہ تھے تو معاذ اللہ وقار سے بھی خالی ہونگے۔

یعظّم النعمة الخ معمولی نعمت کی بھی بڑائی بیان کرتے تھے۔ مثلاً اگر معمولی کھانا ملتا تو اس کی صفت بیان فرماتے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ یہ نعمت جو مجھے ملی ہے بعض دوسرے لوگوں کو نہیں ملتی۔ کسی نعمت کی تحقیر نہیں فرماتے تھے۔ ہماری حالت اس کے برعکس ہے۔ ہمیں تو اللہ

تعالیٰ نے بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھر بھی اپنے سے اونچے معیار زندگی کے لوگوں پر نظر رہتی ہے۔ اور اس وجہ سے دی ہوئی عظیم نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی عقیدت مند بہت زیادہ تکلفات کے ساتھ بھی کھانا یا ہدایا پیش کرے۔ ہم کہتے ہیں یہ ٹھیک نہیں تھا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ کھانے میں خوبیوں کی بجائے خامیاں تلاش کرتے ہیں۔ مگر نبی کریم ﷺ ایک شکر گزار بندے کی حیثیت سے ہر چھوٹی بڑی نعمت کا شکر یہ ادا فرماتے تھے۔

تمام نعمتیں قابل قدر ہیں: **لایذمّ منها شیئاً** یعنی نعمت میں سے کسی چیز کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ دنیاوی ہو یا اخروی اپنی ہو یا پرائی ہر نعمت کو قابل قدر او روجوب شکر کا موجب سمجھتے تھے۔ کفرانِ نعمت متکبر و متجبر لوگوں کا شیوہ ہے۔ جن سے آپ ﷺ کوسوں دور تھے۔

غیر انّہ لم یکن یذمّ ذواقًا ذواق ذوق سے فعل کا صیغہ ہے جو مفعول یعنی مذوق کے معنی میں ہے اور یہ ماکول و مشروب دونوں کو شامل ہے۔ یعنی اگر چہ دیگر نعمتوں کی آپ ﷺ حتی الوسع مدح کرتے تھے لیکن کھانوں کے سلسلے میں آپ ﷺ کا رویہ مختلف تھا۔ ان کی مذمت سے تو آپ ﷺ اجتناب کرتے ہی تھے۔ کیونکہ کھانے نعم خداوندی میں سے عظیم ترین نعمت ہیں۔ اور ان کی تحقیر متکبرین ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ مگر دوسری نعمتوں کے برعکس کھانوں کی مدح سرائی سے آپ ﷺ کتراتے تھے کیونکہ کھانوں کی مدح حریص لوگ کرتے ہیں۔ اور لذائذ دنیاوی میں رغبت کے موقعہ پر میزبان کی تطیب خاطر کے لیے کبھی کبھی کھانے کے بارے میں تعریفی کلمات بول لیتے تھے۔ لیکن ہر لمحہ روٹی، سالن، کھیر، حلوا، پلاؤ، مرغ اور مینڈھے کی باتیں نہیں کرتے تھے۔ جو حرص اور شکم پرستی کی علامت ہے۔ اگر چہ کفران نعمت اور کھلانے والوں کی دل شکنی کے خوف سے کھانوں کی مذمت سے بھی اجتناب فرماتے تھے۔ تو گویا آپ ﷺ کا کلام کھانوں کے حق میں حریصوں اور شکم پرستوں یا ناشکروں اور ناقدروں کا کلام نہ تھا۔

ولا تغضبہ الدنیا الخ دنیا اور دنیا داری کے امور نبی کریم ﷺ کے لیے غیظ و غضب کا سبب نہیں بنتے تھے۔ ہم تھوڑی سی چیز اور ایک ٹکے کا نقصان برداشت نہیں کر سکتے اور جلد ہی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس نبی کریم ﷺ کو اگر پتہ چلتا کہ ایک بڑی دولت ہاتھ سے گئی اور عظیم دنیوی راحت اور فائدے سے بھی محروم ہو گیا تو بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مالی

ولـلدنیا ما انا فی الدنیا الا کراکب استظل تحت الشجرة ثم راح وترکھا(۱). مجھے دنیا سے کیا واسطہ میں تو صرف ایک راہ رو جیسا ہوں جو کسی درخت کے سائے میں ستانے کے لیے (تھوڑی دیر کے لیے) آ کھڑا ہو۔ پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔ بہر حال آپ ﷺ میں دنیا پرستی نہ تھی بلکہ دنیا سے بیزاری تھی فرماتے ہیں تعس عبدالدینار و الدرھم(۲). دینار کا بندہ ہلاک ہوا اور درہم کا بندہ ہلاک ہو۔

و اذا تعدی الحق الخ دنیا کے مقابلے میں دینی حمیت کا بیان ہے کہ اگر حق سے عملاً یا قولاً تجاوز ہوتا تو پھر آپ ﷺ بے قابو ہو جاتے۔ اور آپ ﷺ کے غصہ کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی جب تک حق کے لیے انتقام نہ لیتے قرار نہ آتا۔ احقاقِ حق اور اعطائے حق کے بعد ہی دم لیتے تھے۔ لا یغضب لنفسہ الـــخ اپنے ذاتی نقصان کے لیے انتقام کے طور پر کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ انا نیت سے پاک تھے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ نفس وانا کی بندگی میں لگے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا بت ہے جو سیدھا جہنم میں لے جاتا ہے۔

یہ قتل وقتال، یہ جھگڑے سب اسی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ و اذا اشـار اشـار بـکـفہ الخ یعنی جب افہام تفہیم اور رفع ابہام کے لیے اشارہ کا ارادہ فرماتے تھے تو اس وقت آنکھوں سے یا صرف انگلی سے اشارہ کی بجائے پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ نبی کریم ﷺ متکبرین کی طرح آنکھوں آنکھوں میں اشارہ نہیں کرتے تھے۔ اس طرح بے موقعہ و محل اشاروں سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ جو کہ وقار و تمکنت کے منافی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ اشارہ فرماتے تو انگلیوں کی بجائے ہاتھ سے اشارہ فرماتے کیونکہ یہ عرفاً ایک تو تواضع کے قریب تر ہے۔ دوسری یہ کہ ایک انگلی ایک چیز کے لیے مختص تھی۔ کہ غیر اللہ کو ایک انگلی سے اشارہ بھی گوارا نہ تھا اس سے بھی آپ ﷺ کو شرک کی بو محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ سبابہ سے اشارہ عموماً صرف توحید الٰہی کی طرف ہوتا تھا۔

و اذا تـعـجّـب الـخ جب آپ ﷺ کو کسی بات پر تعجب ہوتا تو اظہارِ تعجب کے لیے ہاتھ الٹا کر

---

(۱) جامع ترمذی ۶۳/۲ ابواب الزھد. باب بعد ما جاء فی اخذا لمال (مختار)

(۲) صـحـیـح بـخـاری کتـاب الرقاق ج۲ ص ۹۵۲ باب ما یتقی من فتنة المال و فی روایة الترمذیؒ لعن عبدالدینار و لعن عبدالدرھم جامع ترمذی ۶۳/۲ (مختار)

دیتے تھے یعنی خلاف معمول ہتھیلی کو نیچے سے اوپر کی جانب کر لیتے تھے جیسا کہ عموماً تعجب کے دوران کیا جاتا ہے۔تو یہ آپ ﷺ کی ایک عادت شریفہ کی تصویر ہے۔**اتصل بھا الخ** یعنی بات کرنے کے دوران تاکیداً اشارہ مناسب خیال فرماتے۔تو چونکہ بات کی تاکید مقصود ہوتی۔لہٰذا آپ ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ کلام کے ساتھ ہی اشارہ اور ہاتھوں کی حرکت ہوتی تھی۔

وضرب براحته الیمنی الخ یہ اسی اشارہ کی توضیح ہے جسے پہلے ذکر کیا۔یا پھر ایک اور عادت کا بیان ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ عموماً متکلم کسی بات کی اہمیت کا اجاگر کرنا چاہے یا اپنے آپ سے فتورودرماندگی دفع کرنا مقصود ہو یا کوئی کلام اس کے ذوق وشوق کو تحریک دیدے۔تو ایسی حالت میں مختلف قسم کے حرکات کا متکلم سے صادر ہونا طبعی امر ہے۔یہ حرکات کبھی تو شعور واختیار کے تحت ہوتی ہیں۔اور کبھی انسان ایسے مواقع میں بے قابو ہو جاتا ہے۔مثلاً مقرر تقریر کے دوران حرکات کرتا ہے۔قاری تلاوت کے دوران سر دھنتا ہے۔اور گانا اور اشعار گانے والا اور سننے والا جھومتا ہے۔یونہی بات کی تاکید کے لیے کبھی متکلم ران پر ہاتھ مارتا ہے۔کبھی میز بجاتا ہے۔کبھی مخاطب پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔ان تمام حرکات میں مناسب ترین حرکت نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی جو یہاں بیان ہے کہ آپ ﷺ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے باطن پر مارتے تھے۔اس سے خود متکلم اور دوسری طرف مخاطب دونوں کی توجہ، استحضار اور پُروقار انداز سے تاکید کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

اعرض واشاح اعراض کے معنی منہ پھیر لینے کے ہیں اور اشاحۃ کے معنی ایک جانب ہونا، پھرنا اور منہ پر انقباض کی کیفیت طاری کرنا ہے۔لیکن شراح کے مطابق یہاں پر اعراض سے عفوودرگزر کرنا مراد ہے۔جیسے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا ہے۔**واعرض عن الجاھلین** اور **اشاحۃ** سے مراد اعراض اور عفوو صفح میں مبالغہ کرنا مراد ہے۔مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ غصہ ہو جاتے تو غیظ وغضب کے اظہار کی بجائے عفوودرگزر سے کام لیتے۔اور کمال حلم وکرم اور صفحِ جمیل کا یہ حال تھا کہ مجرم کو آپ ﷺ کے غصہ کا کم احساس ہوتا تھا۔

یا پھر یہاں پر اس حسی عمل کا بیان ہے جو غصہ کے وقت آپ ﷺ فرماتے تھے۔یعنی اظہار غضب کے لیے سیخ پا ہونے کی بجائے آپ ﷺ صرف منہ پھیر لیتے تھے۔اور مجرم سے آنکھیں نہیں ملاتے تھے۔

وفورِ حیاء کی وجہ سے صرف بے توجہی پر اکتفا فرماتے۔ بایں ہمہ یہ عشاق کے لیے بہت بڑی سزا ہوتی تھی۔ صحابہؓ ایسی بے رخی پر بھی تڑپتے رہ جاتے۔

مثلاً تبوک سے رہ جانے پر حضرت کعب بن مالکؓ جب آپ ﷺ کی ناراضگی کا نقشہ کھینچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں آکر سلام کہتا تو آپ ﷺ جواب میں کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ آنکھیں نہیں ملاتے تھے۔ میں مسجد کے گوشے میں بیٹھ جاتا۔ پھر کبھی موقع ملتا تو آپ ﷺ چپکے سے میری طرف کنکھیوں سے دیکھتے بھی تھے مگر میں دیکھتا تو اعراض فرماتے۔ یہ ان کے لئے ہجر و وصال کا ایک عجیب عالم ہوتا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ترجمان القرآن میں اس صورتحال کا عجیب نقشہ کھینچ کر یہ شعر لکھا

؎ بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر وہ بوقتِ ناز جو جنبش تیری آبرو میں ہے

بلکہ ''وعلی الثلاثة الذین خلّفوا'' کی تفسیر میں مفسرین نے جو نقشہ کھینچا ہے۔ اس کو دیکھ کر رونا آتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں کبھی بھی اس آیت پر ایسے نہیں گزرا کہ میں چیخ چیخ کر نہ رویا ہوں۔

بہر حال آپ ﷺ کے غصہ کی حالت کا بیان تھا کسی کو ڈانٹ پلانا تو عادتِ شریفہ میں تھی ہی نہیں۔

واذا فرح غضّ طرفه. جب زیادہ خوش ہوتے تو تواضع اور نہایت حیا کی وجہ سے آنکھیں نیچی کر لیتے۔ گویا خوشی کی حالت میں بھی آپ ﷺ اپنے آپ کو آپے سے باہر نہیں ہونے دیتے۔

جل ضحكه التبسم آپ ﷺ کی زیادہ ہنسی تبسم ہوتی تھی ٹھٹھہ مار کر ہنسنے کی عادت نہ تھی۔ کیونکہ اسے آپ ﷺ نے قلب کی موت کا سبب بتایا ہے۔ مزید تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

یفترّ عن مثل حبّ الغمام افترّ یفترّ جب عن کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی خوبصورت ہنسی ہنسنا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب دانت خوبصورت ہوں تو ہنسی میں دلکشی ہوتی ہے۔ اور **حب الغمام** کا ترجمہ بعض شراح نے موتیوں سے کیا ہے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے اولے مراد ہیں اس کا لغوی معنی ہے بادل کے دانے جو اولوں پر صادق آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہنستے وقت آپ ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہوتے تو یوں نظر آتا جیسے یہ سفید اولے ہیں۔ گویا سفیدی، صفائی اور چمک میں دانتوں کو اولوں سے تشبیہ دی ہے۔ جو نہایت ہی مناسب ہے۔

(اللهمّ صلّی علی حبیبک محمّد وعلی آله وصحبه وسلم)

خلاصہ باب

اس باب میں نبی کریم ﷺ کے طرز کلام کو اجاگر کیا گیا ہے۔ داعی برحق کو فصاحت و بلاغت بہ حد کمال بخشی جا چکی تھی۔ اور باوجود امی ہونے کے آپ ﷺ کا نثری کلام اتنا دلنشین، معیاری اور انداز اتنا خوبصورت تھا کہ غبی سے غبی کے لیے قابل فہم اور ذہین سے ذہین کے لیے کافی ہوتا تھا۔ کسی کو سمجھنے میں الجھن نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ بات دل میں اترتی تھی۔

حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کو تعجباً کہنا پڑا **مالک افصحنا ولم تخرج من بین اظھرنا**. یعنی یہ کیا ہے کہ ہمارے درمیان پل بڑھ کر تم ہم سب سے فصاحت میں آگے نکل گئے۔ آپ نے فرمایا **کانت لغة اسماعیل درست فجاء نی بھا جبرئیل فحفظتھا(طبرانی .بیھقی)** یعنی اسماعیلؑ کی فصیح ترین لغت جو کھولا جا چکا تھا کو جبرئیلؑ میرے پاس لائے اور میں نے اسے یاد کرلیا۔

آپ ﷺ کا کلام نہ تو جوشیلے مقررین کی طرح الجھا ہوا متداخل اور نا قابل تحلیل کلام ہوتا تھا۔ نہ اظہار بلاغت میں تکلف سے کام لیتے اور نہ متکبرین کی طرح دھیمے دھیمے بولتے تھے۔ بلکہ کانوں میں گھلنے والے الفاظ، ادراک و خیال کو مسخر کرنے والے جملے، اور حافظے پر چھا جانے والا بیان مناسب ترین اشارات سے مزین ہو کر دل سے نکل کر سمع کو چیرتا ہوا دل میں بیٹھتا تھا۔

بایں ہمہ تاکید اور تکرار کر کے مزید شفقت فرماتے۔ فضول گوئی کی بجائے خاموشی اور لایعنی مشاغل کی بجائے فکر و تدبر کو ترجیح حاصل تھی۔

<u>شخصیت کیا تھی؟</u> ایک دردمند مبلغ، ایک فکرمند ہادی، مرقع اخلاص، شکرگزار ہوتے ہوئے لذائذ دنیا سے لذت اندوزی سے کنارہ کش، درشتی اور سخت مزاجی سے دور، جس کا غصہ اس کے قابو میں ہو۔ جذبہ انتقام کا نام ونشان نہ ہو مگر نصرت حق پر مرمٹنا جانتا ہو۔ عفو و درگزر فطرت بن چکی ہو۔ نکتہ چینی کی بجائے ناراضگی کا بھی منفرد مشفقانہ انداز ہو۔ غم سے مغلوب ہو۔ نہ خوشی سے طبیعت سرشار اور حسن وہ جو نظر کی ہر پیاس بجھائے۔

ایک ایسی شخصیت سے جس شیرین کلامی کی توقع کی جا سکتی ہے اس پر وہی فصاحت و بلاغت، اخلاص، شفقت، رأفتہ ورحمۃ اور بھرپور پُرکشش اداؤں کی مزید مٹھاس یہ سب جمع کی جائیں تو آپ ﷺ کے کلام کی حقیقی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

ے فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بے تاب دل اک

۳۵. باب ماجاء فی ضحک النبیّ ﷺ

حضور اقدس ﷺ کے ہنسنے کا بیان

ضحک ضاد کے کسرہ اور فتح کے ساتھ جبکہ حاء ساکن ہو یا مکسور، ہنسنے کو کہتے ہیں(۱)۔ ہنسنے کے تین مراتب ہیں۔ سب سے ادنیٰ تبسم ہے۔ پھر ضحک اور اس کے بعد قہقہہ کی باری آتی ہے۔ ضحک یہ ہے کہ خود ہنسنے والا اور اس کے ساتھ موجود لوگ ہنسنے والے کی آواز سن لیں۔

یہاں ترجمۃ الباب میں جس ضحک کا ذکر ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

رسول اللہ ﷺ صرف تبسم فرماتے تھے: گزشتہ باب کی آخری حدیث میں بھی آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عام عادت تبسم کی تھی۔ قہقہوں کی آپ ﷺ کو عادت نہ تھی۔ بلکہ کئی احادیث میں تو کثرت ضحک سے منع کیا گیا ہے۔ خود اس باب کی پہلی حدیث میں آپ ﷺ کی ہنسی کو تبسم میں منحصر کر کے آپ ﷺ سے ضحک کی نفی کی گئی ہے۔

لہٰذا یہاں پر ضحک سے مراد تبسم میں مبالغہ ہوگا۔ جو کہ ضحک کے قریب ہو۔ اور نفی ضحک سے وہ ضحک مراد ہوگی جس میں غافلین اور فرحین لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن بعض محدثین کے ہاں اس تاویل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے ضحک کا صدور بلکہ خوب زور سے ہنسنا بھی ثابت ہے۔ البتہ آپ ﷺ کی ہنسی دنیاوی امور کے بارے میں نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ دین کے حق میں کبھی مسرت یا قابل تعجب بات کے ادراک کے موقع پر آپ ﷺ خوب ہنسے ہیں۔

مثلاً جب کبھی اسلام کو غلبہ حاصل ہوا ہے باطل ذلیل خوار ہوا ہے یا آخرت میں رحمت و فضل الٰہی کی بے پایانی کا ذکر ہے۔ ربّ ذوالجلال کی جانب سے بندے پر نوازشوں کا فیضان ہوا ہے۔ اتنا کہ تعجب آئے۔ تو آپ ﷺ خوش ہو کر زور سے ہنسے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ صحابہؓ کی دلداری کی خاطر بھی ہنسا کرتے تھے۔ ہاں سیر سپاٹوں کے وقت جو بے قابو طور پر ہنسا جاتا ہے۔ اور دل کا خون کیا جاتا ہے۔ غفلت کی ایسی کیفیات سے آپ ﷺ منزہ تھے۔

---

(۱) علامہ مناویؒ نے لکھا ہے والضحک خاصة للانسان واصله من سرور یعرض القلب وقد یضحک غیر المسرور (المناوی علی هامش جمع الوسائل ۱۸/۲)(اصلاح الدین)

(۱) حدثنا أحمد بن منيع ثنا عبّاد بن العوام أنا الحجّاج وهوابن أرطاة عن سماك بن حرب عن جابر بن سمرة قال كان فى ساقى رسول اللّٰه ﷺ حموشة وكان لايضحك الاّ تبسّماً فكنت إذا نظرت إليه قلت أكحل العينين و ليس بأكحل(۱).

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی پنڈلیاں (کسی قدر) باریک تھیں۔آپ ﷺ صرف تبسم کی ہنسی ہنسا کرتے تھے۔میں جب نبی کریم ﷺ کو دیکھتا۔تو دل میں یہ گزرتا کہ آپ ﷺ سرمہ استعمال کر چکے ہیں۔مگر درحقیقت آپ ﷺ سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

كان فى ساقى الخ یعنی آپ ﷺ کی پنڈلیاں موٹی نہیں تھیں بلکہ ان میں پتلا پن تھا۔اگرچہ جسم مضبوط تھا۔اور علم قیافہ والوں نے اس صفت کوانسانی محاسن میں سے شمار کیا ہے۔حمش دقة یعنی باریکی کو کہتے ہیں۔بعض لوگوں نے خموشة کوخاء معجمہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔لیکن شرّاح نے اس پر رد کیا ہے۔

وكان لا يضحك الّا تبسماً. یہاں تقدیر عبارت یوں ہے کہ وكان لا يضحك ضحكا إلاّ تبسّما۔اس طرح تبسم کوضحک میں داخل کیا گیا ہے(۲)۔اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ

(۱)جامع ترمذی ۲/۶۸۳ کتاب المناقب باب فی صفة النبیّ ﷺ، شرح السنة للبغوی ۱۳/۲۲۲، کتاب المناقب باب صفة النبی ﷺ،المستدرک للحاکم ۲/۶۰۶،(مختار)

(۲)ہنسنے کی صورتیں: ہنسنے کے تین صورتیں ہیں (۱) تبسم: ہنسنے کی اس صورت میں صرف ہونٹ کھل کر دانت نظر آتے ہیں۔مگر آواز نہیں نکلتی۔(۲) ضحک: اس صورت میں منہ کھل کر نواجذ نظر آنے کے ساتھ ہلکی سی ہنسنے کی آواز بھی نکل آتی ہے۔(۳) قہقہہ: ہنسنے کی اس صورت میں انسان کا پورا منہ بھی کھل جاتا ہے۔اور ہنسنے کی زوردار آواز نکلتی ہے۔ہنسنے کے اس قسم کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔اور اگر کوئی عاقل بالغ شخص دوران نماز قہقہہ لگائے تو نماز فاسد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا وضوء بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ایسا ہنسنا قساوت قلبی اور غفلت کا سبب ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے لاتکثر الضحک فإنّ كثرة الضحک تميت القلب(جامع ترمذی)اس لئے رسول اللہ ﷺ سے تبسم اور ضحک تو ثابت ہے مگر قہقہہ ثابت نہیں۔(مختار)

ضحک کے لیے مبدا ہونے کی وجہ سے ضحک تبسم کو بھی شامل ہے۔لیکن اگر ضحک کو عام معنی میں لیا جائے جو ہنسی کے تینوں قسموں یعنی تبسم، ضحک، بالمعنی الاخص اور قہقہہ کو شامل ہو تو پھر اشکال ہی نہیں رہتا۔

بہرحال مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ غالب اوقات میں تبسم پر ہی اکتفاء فرماتے تھے۔اور یہ بھی صحابہؓ کی دلداری اور حسن معاشرت کی وجہ سے وہ بشاشت تھی جو ہر لحہ رخ انور پر عیاں ہوتی تھی۔تعلقاتِ عامہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ ملاقات کرنے والوں کا استقبال خندہ روئی سے کیا جائے۔

فکنتُ اذا نظرتُ مسکراتے وقت آنکھوں میں چمک اور خوبصورتی دکھائی دیتی ہے اس کا بیان ہے۔یہاں **کنت** میں تاء مضموم (بصیغہ متکلم) اور تاء مفتوح (بصیغہ خطاب) دونوں جائز ہے۔اسی طرح بعد کے نظرت اور قلت میں بھی دونوں احتمال درست ہیں۔**قلت أکحل العینین الخ**۔یعنی جب ان کی سرمگین آنکھیں نظر آتیں تو ان پر سرمہ استعمال کرنے کا گمان ہوتا تھا۔جبکہ درحقیقت آپ ﷺ نے سرمہ استعمال نہیں کیا ہوتا تھا۔بلکہ فطری طور پر آپ ﷺ کی آنکھیں سرمگین تھیں۔تو بادی النظر کے اعتبار سے تو سرمہ کا اثبات ہوتا تھا۔لیکن نفس الامر میں یہ منفی ہیں۔اول مصنوعی طور پر آنکھوں کا سرمگیں کرنا، دوم قدرتی طور پر آنکھوں کا سرمگین ہونا۔تو یہاں پر اول الذکر کی نفی اور مؤخر الذکر کا اثبات مقصود ہے۔

(۲) حدّثنا قتیبة بن سعیدأنا ابن لهیعة عن عبیدالله بن المغیرة عن عبدالله بن الحارث بن جزء قال مارأیت احداأکثر تبسّما من رسول الله ﷺ (۱)۔

ترجمہ: عبداللہ بن حارث بن جزءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا کوئی نہیں دیکھا تھا۔

مارأیت الخ صحابہ کرامؓ کے ساتھ معاشرت اور نشست و برخاست میں نبی کریم ﷺ بہت شفیق اور ہشاش بشاش تھے۔لہٰذا عمومی حالت یہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ تبسم کرنے والے ہوتے تھے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مومنین پر خصوصی رحمت تھی۔

(۱)جامع ترمذی ۲/۶۸۳ کتاب المناقب باب فی بشاشة النبی ﷺ، مسنداحمد ۴/۱۹۰ (مختار)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فبما رحمة من اللّٰہ لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضّوا من حولك(آل عمران ۵۹) پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ (خدانخواستہ) تندخو، سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

یا پھر یہاں کثرتِ تبسم آپ ﷺ کے ضحک کی نسبت ہے۔اور مراد یہ ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے سوا کسی کو بھی نہیں دیکھا جس کا ضحک کم اور تبسم اس کی نسبت زیادہ ہو۔اس طرح اس حدیث میں اور گزشتہ باب کی اس حدیث میں جس میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ "متواصل الاحزان" تھے۔تعارض نہیں ہوگا۔

(۳) حدّثنا أحمد بن خالد الخلّال ثنا يحيىٰ بن إسحاق السيلحاني ثنا ليث بن سعد عن يزيد بن أبي حبيب عن عبداللّٰه ابن الحارث قال ما كان ضحك رسول اللّٰه ﷺ إلاّ تبسّما قال ابو عيسىٰ هذا حديث غريب من حديث ليث بن سعد(۱).

ترجمہ: عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ہنسی صرف تبسم ہی ہوا کرتی تھی۔

إلاّ تبسّماً الخ یعنی ضحک کی نسبت غالب اوقات میں آپ ﷺ کی ہنسی تبسم ہوتی تھی اگرچہ ضحک بھی بعض اوقات میں ثابت ہے۔

قال أبو عيسىؒ الخ امام ترمذیؒ اس حدیث کی غرابت بیان کرتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ لیث بن سعدؒ اس میں متفرد ہیں۔لیکن اس کے باوجود حدیث اس لیے صحیح ہے کہ لیثؒ جلیل القدر امام ہیں۔ان کا تفرد صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔

(۴) حدّثنا أبو عمّار الحسين بن حريث أنبانا وكيع ثنا الأعمش عن المعرور ا بن سويدعن أبي ذرؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ إنّي لأعلم اوّل رجل يدخل الجنّة وآخررجل يخرج من النار يؤتى بالرجل يوم القيامة فيقال اعرضوا عليه صغار ذنوبه وتخبا عنه كبارها فيقال له

---

(۱)جامع ترمذی ۲/۶۸۳ کتاب المناقب باب فی بشاشة النبی ﷺ(مختار)

عملت یوم کذا کذا و کذا وھو مقرّلا ینکرو ھو مشفق من کبار ھا فیقال اعطوہ مکان کل سیّئۃٍعملھاحسنۃ فیقول إنّ لی ذنوبا لا اراھا ھھنا قال ابو ذرؓ فلقدرأیت رسول اللہﷺ ضحک حتی بدت نواجذہ(۱).

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اول جنت میں جائے گا۔اوراس کو بھی جسے جہنم سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا۔قیامت کے دن (اس مؤخر الذکر یا کسی اور) آدمی کو(اللہ تعالیٰ کے دربار میں) لایا جائے گا۔پھر فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس آدمی پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کردو۔اوراس کے بڑے گناہ (حسبِ ارشادالٰہی) چھپائے جائیں گے۔چنانچہ اس کو کہا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے ہیں۔وہ آدمی اقراری ہوگا۔(اپنے گناہوں سے) انکارنہیں کرے گا۔حالانکہ وہ بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے خوفزدہ ہوگا۔پھرحکم ہوگا کہ اس کے ہرکردہ گناہ کے بدلے اسے ایک نیکی دے دیں تب یہ شخص بول اٹھے گا کہ میرے تو (اوربھی) بہت سے گناہ ہیں جو میں یہاں دیکھ نہیں رہا۔حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ پھر خدا کی قسم میں نے نبی کریمﷺ کو دیکھا کہ آپﷺ خوب ہنسے حتیٰ کہ آپﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔

حضرت ابوذرغفاریؓ: ابوذرؓ کے نام میں اختلاف ہے لیکن مشہور نام جذب بن خبادہ ہے۔ بنوغفار سے تعلق تھا۔اسلام لانے سے پہلے بھی آپؓ کا شمار عبادت گزارلوگوں میں ہوتا تھا۔نبی کریمﷺ کی بعثت کا علم ہواتو اپنے بھائی حضرت انیسؓ کومکہ بھیجا تاکہ صحیح حالات کا پتہ چلے حضرت انیسؓ نے واپس آکر

---

(۱)صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار، مسنداحمد۵/۱۵۷، شرح السنۃ للبغوی۱۵/۱۹۲ کتاب الفتن باب اخر من یکرض من النار، السنن الکبریٰ للبھیقی۱۰/۱۹۰(مختار)

حضور اکرم ﷺ کے متعلق کچھ بتایا مگر آپؓ نے فرمایا ''ماشفیتنی'' تم نے میری تشفی نہیں کی لہٰذا زاداور پانی لے کر خود مکہ تشریف لائے مکہ والوں کی مخالفت کا علم تھا۔اس لیے کسی سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔رات ہوگئی تو مسجد حرام آئے۔حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا تو انہیں ساتھ لے گئے ۔دوسرا دن بھی نبی کریم ﷺ کی تلاش میں گزرا۔مگر ان کو نہیں پہچانا۔پھر حضرت علیؓ نے ان کی مہمان نوازی کی،تیسری رات جب حضرت علیؓ انہیں گھر لے گئے تو ان سے مکہ مکرمہ آنے کا مقصد دریافت کیا۔آپؓ نے کہا کہ اگر یہ عہد کرو گے کہ میری صحیح رہنمائی کرو گے تو بتادوں گا۔انہوں نے وعدہ کیا جس پر آپؓ نے مدعا بیان کردیا کہ یہاں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس سے ملنے آیا ہوں لیکن تا حال اسے پہچان نہ سکا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ دیکھو میرے پیچھے پیچھے آنا اور اگر کسی کافر کو دیکھ کر مجھے کچھ خطرہ محسوس ہوا تو میں پیشاب کے بہانے بیٹھ جاؤنگا۔اورتم میرا انتظار کئے بغیر آگے گزر جانا۔اس طرح حضرت علیؓ آپؓ کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔اس وقت تک صرف چار آدمی مسلمان ہوچکے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام پیش کردیا۔اور آپؓ نے کلمہ شہادت پڑھا۔اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے نصیحت کی کہ فی الحال اہل مکہ پر اسلام ظاہر کئے بغیر سیدھے گھر چلے جانا۔جب تیرے پاس میرا دوسرا امر(حکم) آجائے تو آجانا۔مگر آپؓ نے کہا کہ خدا کی قسم میں ان کافروں کے بیچ اسلام کا اعلان کروں گا۔چنانچہ مسجد حرام تشریف لائے اور بلند آواز سے کلمہ شہادت کا اعلان کیا قریش نے اس پر آپؓ کو خوب مارا۔حتیٰ کہ حضرت عباسؓ نے انہیں بچالیا۔دوسرے روز پھر اعلان کیا۔اور مار بھی پڑی۔پھر اپنے گھر آکر اپنے بھائی اور والدین کو اسلام کی دعوت دی۔وہ سب مسلمان ہوئے۔قوم میں سے بھی کچھ لوگ آپؓ کی دعوت پر مسلمان ہوگئے۔

غزوۂ احد اور ایک قول کے مطابق غزوہ خندق کے بعد مدینہ تشریف لائے۔اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔نبی کریم ﷺ آپؓ کے بارے میں فرماتے کہ زمین وآسمان کے درمیان ابوذرؓ سے زیادہ سچا آدمی نہیں ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ابوذرؓ وہ برتن ہے جسے علم سے بھر دیا گیا ہے۔چونکہ انتہائی درجہ کے زاہد تھے۔لہٰذا اہل ثروت لوگوں پر ہمیشہ نکیر فرماتے تھے۔چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے باہر ربذہ کے مقام پر گھر بنا کر وہاں منتقل ہونے کی درخواست کی۔چنانچہ امیر کے حکم پر وہیں سکونت اختیار کی۔

اور ۱۳ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۴۲ھ میں وہیں وفات ہوئے۔ بہت سے صحابہ بھی آپؓ سے روایت کرتے ہیں۔

إنّی لا علم اوّل رجل یدخل الجنة جنت میں علی الاطلاق پہلے داخل ہونے والے شخص خود نبی کریم ﷺ ہیں۔ جیسا کہ دوسری روایات میں صراحتاً مذکور ہے(۱)۔ لیکن ممکن ہے کہ یہاں اول رجل یدخل الجنة من عصاة المؤمنین مراد ہو۔ یعنی گناہ گار جہنمی مومنوں میں سے جنت میں پہلا داخل ہونے والا شخص بھی مجھے معلوم ہے۔ جس طرح کہ آخری داخل ہونے والا شخص کا قصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں پہلے شخص کا ذکر صرف اس لیے ہوگا کہ بعد کا قصہ موثق ہو جائے۔ کہ یہ وحی پر مبنی ہے۔

لیکن امام مسلمؒ وغیرہ نے حضرت ابوذرؓ کی یہی حدیث ان الفاظ سے روایت کی ہے ''انّی لا علم آخر اهل الجنة دخولا الجنة و آخر اهل النار خروجا منها رجل یؤتیٰ (الحدیث)(۲)'' اس لیے ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ یہاں امام ترمذیؒ کو وہم ہوا ہے کیونکہ درست ''آخر رجل یدخل الجنّة'' ہے۔ اس طرح دونوں جملوں کے مصداق ایک ہی شخص ہوگا۔

یؤتی بالرجل یہاں ''رجل'' سے مراد میں تین احتمال ہیں۔ یا تو اس سے ''اول رجل یدخل الجنة'' مراد ہے لیکن پھر اسے اول رجل من المذنبین سے مقید کرنا پڑے گا نہ کہ علی الاطلاق۔ یا پھر آخر رجل یخرج من النار علی الاطلاق مراد ہوگا۔ جیسے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں اس کا ذکر ہے یا پھر یہ ایک تیسرا شخص ہے نہ کہ جنت میں داخل ہونے والا پہلا گناہ گار۔ نہ جہنم سے نکلنے والا آخری آدمی۔ بلکہ دونوں کے درمیان جنت میں داخل ہونے والا شخص ہے۔ ملا علی قاریؒ اور مناویؒ وغیرہ نے اس آخری احتمال کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ کلام مستانف ہے اور ایک تیسرے شخص کا بیان مقصود ہے۔

---

(۱) ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے وحاصله اول رجل یدخل الجنة ممّن یخرج من النار لأنّ اوّل من یدخل الجنّة علی الاطلاق إنّما هو النبی ﷺ (جمع الوسائل ۲/۲۰) اور یہی بات علامہ عبدالجواد الرومی نے بھی لکھی ہے (الاتحافات ۲۸۰) (مختار)

(۲) مسلم ج ۱ ص ۱۰۶ کتاب الایمان باب إثبات الشفاعة و اخراج الموحدین من النار (مختار)

اعطوه مکان کل سیئة عملها حسنةً یعنی جتنے بھی صغائر ہوں سب کونیکیوں سے بدل دو۔

اس تبدیل کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ إلاّمن تاب و آمن وعمل عملاً صالحا فاولئک یبدل اللّٰه سیأتهم حسنات(فرقان ۷۰) مگر جن لوگوں نے توبہ کیا، ایمان لائے اور نیکیاں کیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دینگے۔

<u>کفر کی وجہ سے نیکیوں کا ضائع ہونا:</u> اللہ تعالیٰ کے ہاں جس طرح حبط اعمال کا قانون ہے کہ کفر جیسے کسی جرم عظیم کے سبب اعمال اور نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں تبدیل سیّئات بالحسنات کا بھی قانون ہے۔ کہ کبھی اللہ تعالیٰ کسی دوسرے بڑے عمل کی وجہ سے ''گاہے بدشنام مے بخشد'' کے مصداق بندہ کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔

إنّ لی ذنوباً ما اراها ههنا جب بندہ رحمت خداوندی کے وفور کو دیکھے گا۔ اور خوف زائل ہو جائے گا تو وہ کہے گا کہ میں نے تو اور بھی عظیم عظیم گناہ کئے ہیں۔ وہ کہاں چھپا لیے گئے ہیں۔ ان کو بھی نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے۔

قال أبو ذرؓ فلقد الخ یعنی نبی کریم ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم اور اس کے مقابلے میں بندے کا یہ حرص بیان کر دیا۔ تو نبی کریم ﷺ کو میں نے دیکھا کہ ہنستے ہوئے ان کی داڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ نواجذ آخر کے دانتوں کو کہتے ہیں لیکن کبھی کبھی اس کا اطلاق آخری سے سامنے والے دانتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اب یہ دراصل مبالغہ فی الضحک سے کنایہ ہوگا۔ یعنی آپ ﷺ خوب ہنسے۔ اتنا کہ جہاں تک دانت دکھائی دے سکتے ہیں وہ سب ظاہر ہو گئے۔ البتہ اس قسم کی ہنسی آپ ﷺ کی عادتِ مستمرہ نہ تھی بلکہ بصورت ندرت کبھی کبھی آپ ﷺ سے صادر ہوتی تھی۔ اور جس روایت میں نہی آئی ہے ''لاتکثر الضحک'' تو اس حدیث میں ایسے ہنسی کی اکثار سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی کہ ہر وقت آدمی زور سے ہنستا رہے۔ یہ منع ہے کیونکہ اس سے قلب کی موت ہوتی ہے۔ فان کثرة الضحک تمیت القلب

(۵) حدّثنا أحمد بن منیع ثنا معاویة بن عمر و ثنا زائدة عن بیان عن قیس بن أبی حازم عن جریر بن عبداللّٰه قال ما حجبنی

رسول اللهﷺ منذا سلمت ولا رآنی الّاضحک(۱).

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کبھی بھی مجھے حاضری سے نہیں روکا۔ اور کبھی بھی مجھے نہیں دیکھا مگر آپﷺ ہنس دیتے تھے۔

قال ما حجبنی گزشتہ ابواب میں حضرت جریرؓ کے حالات مفصل طور پر بیان ہو چکے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریمﷺ کی مجلس میں آنے جانے کی کوئی پابندی مجھ پر نہیں تھی۔ لیکن یہاں گھر میں آنا مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجلس نبویﷺ میں مجھے کھلی اجازت تھی۔ اور ممکن ہے کہ حجبنی سے مراد منعنی مراد ہو یعنی آپﷺ نے میری کوئی درخواست اور گزارش رد نہیں فرمائی۔ الاضحک یعنی مجھے دیکھتے تو ضرور مسکراہٹ اور ہنسی سے میرا استقبال فرماتے(۲)۔

(۲) حدثنا أحمد بن منیع ثنا معاویة بن عمر و ثنا زائدةعن إسماعیل بن أبی خالد عن قیس عن جریر قال ما حجبنی رسول اللهﷺ منذ اسلمت ولا رانی إلاّ تبسّم(۳) .

ترجمہ: حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے میرے اسلام لانے کے بعد کبھی بھی مجھے حاضری سے نہیں روکا۔ اور کبھی بھی مجھے نہیں دیکھا مگر آپﷺ نے تبسم ضرور فرمایا۔

إلاّ تبسّم یہ جریرؓ کی گزشتہ حدیث ہی ہے۔ صرف ضحک کی بجائے تبسم کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ حدیث میں بھی ضحک سے تبسم مراد ہے۔ اور اس تبسم کی وجہ شرّاح نے یہ لکھی ہے کہ

---

(۱)صحیح مسلم ۲/۲۹۷ کتاب فضائل الصحابة باب فضائل جریر بن عبدالله، جامع ترمذی ۲/۲۰۷ کتاب المناقب باب مناقب جریر بن عبدالله،(مختار)

(۲)اوراس کی وجہ ملاعلی قاریؒ نے یہ لکھی ہے لعل وجه التبسم له کل مرة فی رؤیته إنّه رأه مظهر الجمال فإنّه کان له صورة حسنة علی وجه الکمال حتی قال عمرؓ فی حقه إنّه یوسف هذه الامة (جمع الوسائل ۲/۲۳)(مختار)

(۳)جامع الترمذی ۲/۲۰۷ کتاب المناقب مناقب جریر بن عبداللهؓ سنن ابن ماجه ص۱۵ مناقب جریر بن عبدالله(مختار)

چونکہ جریرؓ انتہائی خوبصورت تھے۔ حضرت عمرؓ اسی وجہ سے آپؓ کو"یوسف هذه الامة" کہتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کو دیکھ کر بے اختیار تبسم فرماتے تھے۔

(۷) حدّثنا هنّاد بن السری ثنا ابو معاوية عن الأعمش عن ابراهيم عن عبيدة السلمانی عن عبدالله بن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ إنّی لا عرف اخر اهل النار خروجا رجل يخرج منها زحفا فيقال له انطلق فادخل الجنّة قال فيذهب ليدخل الجنّة فيجد الناس قد اخذوا المنازل فيرجع فيقول يا رب قد اخذ النّاس المنازل فيقال له أتذكر الزمان الذی کنت فيه فيقول نعم قال فيقال له تمن قال فيتمنیٰ فيقال له فانّ لک الذی تمّنيت و عشرة اضعاف الدّنيا قال فيقول اتسخرنی و انت الملک و قال فلقد رأيت رسول الله ﷺ ضحک حتّیٰ بدت نواجذه(۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہے۔ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو زمین پر سرین کے بل گھسٹتا ہوا جہنم سے نکلے گا۔ اسے حکم دیا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ جنت میں داخل ہونے کے لیے وہاں جائے گا۔ وہاں لوگوں کو جنت کی منزلوں پر قبضہ کئے ہوئے پائے گا۔ وہاں سے لوٹ کر کہے گا کہ اے رب لوگوں نے تمام مقامات پر قبضہ جمائے رکھا ہے۔ تو اس کو کہا جائے گا کہ کیا تجھ کو دنیا یاد آرہی ہے (جہاں تنگی تھی۔ یا مراد یہ کہ تم دنیا کی وسعت کو یاد کرو) وہ عرض کرے گا

---

(۱)صحيح بخاری ۲/۹۷۲ کتاب الرقاق باب صفة الجنة والنار، صحيح مسلم ۱/۱۰۵ کتاب الايمان اثبات الشفاعة واخراج الموحدين من النار باب آخر اهل النار خروجاً، جامع ترمذی ۲/۵۴۰ کتاب صفة جهنم، عن رسول الله باب ماجاء ان النّار، سنن ابن ماجة ص ۳۲۱ باب صفة الجنة کتاب الزهد باب صفة الجنة(مختار)

ہاں (یاد ہے) تو اسے کہا جائے گا کہ تو اپنی تمنائیں ظاہر کر۔ تو وہ (اپنی خواہشات) کی تمنا کرے گا پھر اسے کہا جائے گا کہ تمہیں وہ سب تمنائیں اور خواہشات بھی دی جاتی ہیں۔ جو تم نے ظاہر کر دی اور تمام دنیا سے دس گنا زائد بھی دیا جاتا ہے۔ وہ عرض کرے گا۔ کہ اے رب! آپ بادشاہ ہو کر بھی مجھ سے تمسخر کرتے ہیں۔ (حضرت ابن مسعودؓ) کہتے ہیں کہ تب میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔

إنّي لأعرف آخر أهل النار خروجاً. آخری آدمی جو جہنم سے نکل کر جنت میں آئے گا۔ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسا آدمی ہوگا جو جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا(۱)۔ وہ جہنم کا اتنا مارا ہوگا کہ مفلوج آدمی کی طرح اٹھنے کی سکت نہیں ہوگی۔ **فيقال له انطلق الخ** اسے جنت میں جانے کا کہا جائے گا۔ دروازے میں آکر وہ محسوس کرے گا کہ جنت کے تمام گھر تو لوگوں سے بھرے ہیں۔ اس لیے وہ واپس ہوگا۔ اور کہے گا کے اے رب! لوگوں نے تمام گھروں پر قبضہ کر رکھا ہے۔

اتذكر الزمان الذى كنت فيه کا مطلب: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دنیا اور اس کی وسعتیں جہاں تم رہتے تھے۔ اگر یاد نہ ہو تو یاد کر لو۔ دنیا میں ہفت اقلیم کی وسعت کا تصور ذہن نشین کروا کر اسی کے مطابق احسان کرتا ہے۔ کہ اس سے بھی بڑھ کر میں دوں گا۔ اس صورت میں استفہام امر کے معنی کو متضمن ہوگا۔

اور ایک اور معنی یہ ہے کہ کیا تم کو دنیا یاد آ گئی جہاں کی بڑی سے بڑی عمارت اور جگہ بھی زیادہ ہجوم کی وجہ سے بھر جاتی تھی۔ تو کیا تمہارے خیال میں عالم آخرت بھی ایسا ہے کیا جنت کو بھی اتنا تنگ سمجھ رکھا ہے(۲)؟ حالانکہ یہ نہیں بھرتا۔ جس طرح جہنم نہیں بھرتا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یوم نقول**

(۱) ایک روایت میں زحفاً کی جگہ حبواً کا لفظ آیا ہے۔ یعنی بچوں کی طرح ہاتھ پاؤں لگاتا ہوا نکلے گا شراح کے مطابق دونوں روایتوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ بعض اوقات میں سرین کے بل سے چلے۔ اور بعض اوقات میں ہاتھ پاؤں لگا کر چلے۔ (اصلاح الدین)

(۲) یہ احتمال راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعد میں ''نعم'' کے کلمہ سے جواب ملتا ہے۔ جو کہ استفہام کے جواب میں آتا ہے۔ نہ کہ امر کے جواب میں۔ علاوہ ازیں استفہام کو حقیقت پر محمول کرنا بھی اولیٰ ہے۔ (اصلاح الدین)

لجھنّم ھل امتلأت وتقول ھل من مزید(ق ۳۰) اس دن ہم جہنم سے کہیں گے۔کیا تو بھر گیا۔وہ کہے گا۔کیااور ہے۔

بہر حال جنت کی وسعتیں زیادہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایاوسارعوا إلیٰ مغفرۃ من ربّکم وجنّۃ عرضھا کعرض السمٰوات والأرض اعدت للمتقین(آل عمران ۲۳۳) اوراللہ کی بخشش اوراس جنت کی طرف تیزی سے آؤ۔جس کی وسعت آسمانوں اورزمین کی وسعت جیسی ہے۔وہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بنائی گئی ہے۔

<u>کائنات کی وسعت پر سائنسدانوں کا اعتراف</u>: زمین اورآسمانوں کے عرض کا پتہ کوئی نہیں چلاسکتا۔تو اس کا طول کب معلوم کیاجاسکتا ہے۔سائنس دان کہتے ہیں کہ بعض ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی یوم تخلیق سے لےکراب تک زمین پر نہیں پہنچی۔حالانکہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے روشنی سفر کرتی ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہماری یہ کائنات کتنی وسیع ہے۔جبکہ اس میں موجود ستاروں کی تعداد سمندروں کے کنارے ریت سے بھی زیادہ ہے۔اورسب کے سب ان سائنس دانوں کے نزدیک پہلے آسمان کے نیچے ہیں۔ ہماری یہ وسیع زمین اس کائنات کا ایک حقیر سیارہ ہے۔خلائی جہازوں سے اس کی تصویر کھینچی جاتی ہے۔تو یہ بہت معمولی سی مخلوق دکھائی دیتی ہے۔اور سورج سے نسبت لی جائے تو ایک بڑے تنور کے اندر ایک تنکے کی نسبت بھی نہیں بنتی۔پھر کائنات میں فرشتے ہیں۔جن کے بارے میں قرآن کاارشاد ہے کہ وما یعلم جنود ربک الا ھو(مدثر ۳۱)اور تیرے رب کے لشکروں کاعلم صرف تیرے رب کے پاس ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ عرش کے نیچے ۱۰۰ سو قنادیل معلق ہیں۔اورآسمان وزمین اوراس کے اندر سب کچھ ایک فانوس میں سمائے ہیں۔باقی ننانوے قنادیل کی تو ہمیں کوئی خبر نہیں۔ اس سے اندازہ کیاجاسکتا ہے کہ جنت کتنی وسیع ہوگی۔فیقال لہ تمّن الخ یعنی اس سے کہاجائے گا کہ اپنی تمنااورخواہش کوظاہر کردے۔تو جوبھی وہ چاہے گا۔جس کی خواہش بھی اس کے دل میں ابھرے گی اس کو بتایا جائے گا کہ تیری یہ خواہش تو پوری کردی گئی ہے۔

وعشرۃ اضعاف الدنیا اورپھراس دنیا کا جس کا استحضار ابھی ابھی تم نے کیا۔اس سے دس

گنا جنت تجھے دی گئی۔ یہ تضاعف یا تو باعتبار قیمت ہوگی۔ یعنی جنت کی نعمتیں مقدر میں کم بھی ہوں۔ لیکن قیمت کے لحاظ سے بہت بڑھ کر ہونگیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ موتی گھوڑے سے کئی گنا زیادہ ہے۔ علامہ بیجوریؒ نے یہ توجیہ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ مساحۃ کے اعتبار سے دس گنا وسیع جنت کا بھی احتمال ہے۔ اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بات تنگی اور وسعت میں چل رہی ہے۔ نیز خود متعدد روایات میں جنت کی وسعت مذکور ہے۔

فیقول أتسخربی ایک نسخہ میں **أتسخرنی** نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یہ شخص جو جہنم کی مار کھا چکا ہے۔ اچانک یہ کرم اور مہربانی اس کے تصور سے بالاتر ہے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ کیا تم میرے سے تمسخر کرتے ہو حالانکہ تیرے ساتھ تمسخر لائق نہیں تیری عظیم ہستی سے ایسا تمسخر مستبعد ہے۔ جبکہ تو تو بادشاہ ہے۔

<u>**ایک اشکال اور اس کا جواب:**</u> یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ تمسخر اللہ تعالیٰ کے حق میں متعذر ہے۔ نیز یہ تو آخرت اور جنت میں دخول کا موقع ہے۔ لہٰذا یہ عذر بھی معقول نہیں کہ بندہ کو اللہ کی صفات کا علم نہیں ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص غیر متوقع انعامات کے حصول اور رب کریم کے کرم سے اتنا خوش ہوگا کہ خوشی سے بدحواس ہوکر بے اختیار یہ جملہ بول پڑے گا۔ اگرچہ تمسخر اس کا عقیدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ ایک ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے لق ودق صحراء میں اپنی سواری اور اس پر موجود کھانا، پانی کھودیا ہو۔ تلاش بسیار کے بعد زندگی سے مایوس ہو چکا ہو۔ پھر اچانک اپنی سواری کو پالیا ہو۔ تو وہ بدحواس ہوکر کہتا ہے **اللھم انت عبدی و انا ربک**(۱) اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔

---

(۱) مسلم کتاب التوبہ ج ۲ ص ۳۵۵ کتاب التوبۃ، واضح رہے کہ امام نوویؒ نے اس مقام پر دو اور جواب بھی ذکر کئے ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ یہ شخص اس موقع پر کچھ بدعہدیوں کا مرتکب ہو چکا ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات میں ان کی تفصیل ہے۔ لہٰذا وہ خیال کرے گا کہ میں جنت کا اہل نہیں ہو۔ پھر تضاعف مذکور کا اہل کیونکر ہوں گا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری وعدہ شکنیوں کی سزا کے طور پر محض اطماع ہے۔ اور خلاف واقع لالچ دے کر سزا دی جا رہی ہے۔ جسے اس نے استہزاء سے تعبیر کر دیا۔ دوم یہ ہمزہ استفہام انکار کے لیے ہو۔ تو معنی یہ ہوگا کہ تم تو یقیناً استہزاء نہیں کر رہے۔ لیکن بندہ کی نااہلیت اور انعام کی عظمت قابل تعجب اور تمسخر سے مشابہ ہے۔

ملا علی قاریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس جملے سے اس شخص کا مخاطب کوئی فرشتہ ہو۔ اس تقدیر وانت **الملک** بفتح لام ہونا چاہیے۔ لیکن روایت **ملک بکسر اللام** کی ہے۔ (اصلاح الدین)

فلقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ ضحک لام یہاں بھی موطئہ للقسم ہے۔یعنی خدا کی قسم میں نے نبی کریم ﷺ کوزور سے ہنستے ہوئے دیکھا۔آپ ﷺ کی یہ ہنسی یا تو بندے کی کوتاہ اندیشی سے تعجب کی بنا پر ہے کہ جہنم اور جنت کو دیکھ کر بھی اس کے عقل میں قدرت الٰہی کی بے پایانی کما حقہ نہ سموسکی۔یا پھر بندے کی تواضع اور بدحواسی پر آپ ﷺ کو تعجب ہوا۔یا پھر رب کریم کی رضا اور غلبہ رحمت سے آپ ﷺ خوش ہوکر ہنسے۔

(۸) حدثنا قتیبة بن سعیدأنبانا أبو الأحوص عن أبی إسحاق عن علیّ بن ربیعة قال شهدت علیاً اتی بدابة لیرکبها فلمّا وضع رجله فی الرکاب قال بسم اللّٰه فلما استوی علی ظهرها قال الحمد للّٰه ثمّ قال سبحان الّذی سخّر لنا هذا وما کنّا له مقرنین وإنّا إلی ربّنا لمنقلبون ثمّ قال الحمد للّٰه ثلاثا واللّٰه اکبر ثلاثا سبحانک إنّی ظلمت نفسی فاغفر لی فانّه لا یغفر الذنوب إلّا انت ثم ضحک فقلت له من أیّ شیء ضحکت یاامیر المؤمنین قال رأیت رسول اللّٰه ﷺ صنع کما صنعت ثمّ ضحک فقلت من ایّ شیء ضحکت یارسول اللّٰه ﷺ قال إنّ ربّک لیعجب من عبده إذا قال ربّ إغفرلی ذنوبی یعلم إنّه لا یغفرالذنوب احد غیری(۱).

ترجمہ: علی بن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے پاس آیا۔(اسی اثنا میں) ان کے پاس ایک جانور (گھوڑا یا خچر) سواری کے لیے لایا گیا۔جب آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو بسم اللّٰہ پڑھی پھر جب پوری طرح سواری کی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔تو

(۱)سنن ابی داؤد ۱/۳۷۴ کتاب الجهاد باب مایقول الرجل اذارکب، جامع ترمذی ۲/۶۵۷ کتاب الدعوات باب مایقول إذا رکب الناقة، السنن الکبریٰ للبیهقی ۵/۲۵۲، مسندابی داؤد الطیالسی ص ۱۳۲ (مختار)

الحمدللہ کہا پھر یہ دعا پڑھی ’’سبحان الّذی سخّر الخ ‘‘ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے اور ہم (تو) اس کو مطیع بنانے والے نہیں (ہو سکتے) تھے۔اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔اس کے بعد تین مرتبہ الحمدللہ کہا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ پھر یہ دعا کی ’’سبحانک إنّی ظلمت نفسی الخ ‘‘ترجمہ: پاک ہے تو بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔پس اے اللہ میری مغفرت فرما کیونکہ آپ کے سوا کوئی بھی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا۔اس دعا کے بعد حضرت علیؓ ہنسے۔ میں نے عرض کیا۔ اے امیرالمؤمنین آپ کیوں ہنسے۔انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ نے میرے جیسا قول وعمل کیا اور پھر ہنسے۔ میں نے عرض کیا آپ کیوں ہنسے۔تو انہوں نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندے کے اس قول پر کہ ’’اے میرے رب میرے گناہوں کو بخش دے‘‘ بہت خوش ہوتا ہے۔حالانکہ وہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی بھی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔

اُتی بدابة دابة کل ما یدبّ علی الارض یعنی زمین کے اوپر حرکت کرنے والے ہر جاندار کا نام ہے جیسا کہ ’’ومامن دابة فی الأرض إلّا علی اللّٰہ رزقھا‘‘ میں مستعمل ہے لیکن عرفاً یہ گھوڑے، خچر اور گدھے پر بولا جاتا ہے(۱)۔

قال بسم اللّٰہ الخ حضرت علیؓ کا یہ عمل نبی کریم ﷺ کے عمل پر مبنی ہے۔اور نبی کریم ﷺ نے شاید نوحؑ کے عمل کو اپنے عمل کا مبنی علیہ بنایا ہے۔انہوں نے بھی کشتی میں سوار ہونے کے بعد اس قسم کی دعائیں پڑھی تھیں۔وما کنا لہ مقرنین یعنی ہم میں یہ قدرت کہاں کہ ہم اپنی طاقت سے اسے قابو کر دیں۔اگر ایک گھوڑا سرکش ہو جائے۔تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو عاجز کر دے ایک بے قابو اونٹ مسخر کرنا کئی آدمیوں کے لیے مشکل ہے۔مگر اونٹوں کی ایک لمبی قطار کو ایک چھوٹا بچہ ایک رسی سے قابو کر رہا

(۱) ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے ثم خصّھا العرف العام بذوات الاربع (جمع الوسائل ۲/۲۵) (مختار)

ہے۔وہ آگے جاتا ہے اور بہت سے اونٹ اپنے ساتھ کھینچتا جاتا ہے۔تو اس مٹھی بھر حیثیت والے ضعیف البنیان انسان کی اتنی طاقت کہاں کہ اتنے جانوروں کو مسخر کر سکے۔ بلکہ آگے جا کر اجرام عالم کو تابع بنادے۔دریا چیرے، پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرے،ستاروں پر کمندڈالے،لوہا اڑائے اور خلاؤں پر حکمرانی کرے،تو بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت ہے۔جس کی وجہ سے یہ سب کام انسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کائنات کی چیزوں سے استفادے کی اجازت بلکہ ترغیب دیتا ہے۔ہاں اتنا ضرور حکم دیتا ہے کہ یہ سوچ لو کہ یہ طاقت کس کی دی ہوئی ہے۔کائنات کی جو چیز بھی مسخّر ہو کر تیرے استعمال میں آئے۔اس کے ساتھ اتنا کہو کہ **سبحان الّذی سخّرلنا هذا**۔

یوں اپنے کمالات کو خالق کی معرفت کا ذریعہ بنادو۔لیکن آج کے لوگوں نے سائنس کو معرفت الٰہی کا ذریعہ بنانے کے بجائے رب سے دوری کا ذریعہ بنادیا ہے۔وہ چاند پر گئے تو کہنے لگے کہ ہمیں تو وہاں خدا نظر نہیں آیا۔حق یہ ہے کہ جو یہاں اندھا ہو وہ چاند پر بھی اندھا ہے۔بلکہ **فهو فی الآخرة اعمٰی** کے مصداق قیامت کے روز بھی اندھا ہے۔جبکہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو چاند پر گئے تو ایمان لے آئے۔کہنے لگے ہم نے وہاں اذان کی آواز سنی۔ایک کا بیان ہے کہ عالم اتنا عجیب تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالقیت کے خود بخود قائل ہو گئے۔اور اسلام کی حقانیت دل میں سما گئی۔

بہر حال یہی اصل مقصد ہے کہ انسان تسخیر کائنات کے وقت یہ سوچ لے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے۔کیونکہ یہ قوت نظری اور تحلیل وترکیب عناصر کا علم اگر انسان کو حاصل نہ ہوتا تو انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔یہ تو انسان ہی ہے جو علم کے سبب ترقی کرتا جاتا ہے ورنہ گدھا وہی گدھا ہے۔کہیں کچا سا کمرہ بھی اپنے لئے نہ بنا سکا۔شیر وہی شیر ہے۔انسان بھی وہی حیوان ہے جو تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں نے اسے اشرف المخلوقات بنادیا۔اور روز نئی نئی چیزوں سے کام لیتا جاتا ہے۔

وانّا إلیٰ ربّنا الخ مبدا کے بعد معاد کا ذکر ہے۔اور اس پر تنبیہ ہے کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کا استعمال ہے اور پھر واپس اسی کے پاس جانا ہے۔اس استمتاع کی ایک حد بھی ہے۔یہ سفر آخری نہیں بلکہ ایک اور سفر بھی ہے۔خدا کی طرف،آخرت کو رجوع کا سفر،یہ دعا سفر میں ابتداء کرتے وقت

بھی مسنون ہے۔ظلمت نفسی الخ حضرت علیؓ بھی فرماتے تھے کہ میں نے بھی ظلم کیا ہے کیونکہ کون ہے جو نعمتوں کا حق ادا کر سکے۔انسان کو اتنی عجیب نعمتیں اور منافع دیئے گئے ہیں جس کا شکریہ ادا کرنا ناممکن ہے۔اسی وجہ سے فرمایا انی ظلمت نفسی.قال رأیت الخ یعنی میں نے اس عمل میں نبی کریم ﷺ کا اتباع کیا ہے جنہیں میں نے ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔اور صحابہ کرام تو اتباع سنت میں قول وعمل کا اہتمام کے ساتھ پیروی کرتے تھے۔بہر حال حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بالکل اس طرح نبی کریم ﷺ بھی ہنسے تھے اور میں نے بھی ان سے پوچھا تھا کہ وہ کیوں ہنسے۔تو انہوں نے فرمایا انّ ربّک لیعجب من عبدہ اذاقال الخ یعنی اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے بہت خوش ہوتا ہے کہ وہ رب سے مغفرت مانگے۔اور وہ اس لیے کہ بندہ مغفرت مانگتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہے کہ گناہوں کا بخشنے والا فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے باخبر بھی ہے۔یہ بات اسے خوش کر دیتی ہے گویا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رب العالمین میرے استغفار سے خوش ہوا۔اس لئے میں ہنسا۔حضرت علیؓ کے بیان کے مطابق حضرت علیؓ بھی اسی وجہ سے ہنسے۔اور ان سے روایت کرنے والے دوسرے راوی بھی اس موقع پر اسی طرح ہنس دیئے۔

علم انّہ لا یغفر الذنوب الخ یہ جملہ قال کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہوا ہے۔اور معنی یہ ہے کہ بندہ مغفرت طلب کرتا ہے لیکن غفلت جہالت اور بے یقینی کے ساتھ نہیں بلکہ ''عالما إنّہ لا یغفر الخ'' یعنی اس یقین کے ساتھ طلب مغفرت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے۔

اور ممکن ہے کہ یہ جملہ یعجب ضمیر فاعل سے حال ہو۔اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مغفرت سے خوش ہوتا ہے۔یہ جانتے ہوئے کہ مغفرت کرنے والا میں ہی ہوں۔میرا بندہ اور کس کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

یا پھر قائلاً کی تقدیر کے ساتھ یہ یعجب کی ضمیر سے حال ہوگا۔تقدیر یوں ہوگی کہ یعجب ربّک قائلاً ''إنّہ یعلم عبدی أنّہ لا یغفر الذنوب غیری'' یعنی اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ میرا موحد بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی بخشش کرنے والا نہیں۔اس لئے اس کو میں بخش دیتا ہوں۔

تنبیہ: یہ حدیث مسلسل بالضحک کہلاتی ہے مجھے اس کی سند ضحک کے ساتھ مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیو بند کے واسطے سے ملی ہے۔اوران کوسند مولانا سہارنپوریؒ سے ملی تھی۔مسلسلات کی اور بھی مثالیں ہیں۔مثلاً مسلسل بالماء والتمر وغیرہ۔بہرحال یہاں پر یہ سلسلہ حضرت علیؓ سے شروع ہوا۔پھران کے شاگرد یکے بعد دیگرے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے ہنستے ہیں۔

(۹) حدّثنا محمّد بن بشار أنبانا محمّد بن عبدالله الأنصاری ثنا إبن عون عن محمّدبن محمّد بن الأسود عن عامر بن سعد قال قال سعد لقد رأیت رسول اللهﷺ ضحک یوم الخندق حتّیٰ بدت نواجذه قال قلت کیف کان قال کان رجل معه ترس و کان سعد رامیا و کان یقول کذا و کذابالترس یغطّی جبهته فنزع له سعد بسهم فلمّا رفع راسه رما ه فلم یخطئی هذه منه یعنی جبهته وانقلب و شال برجله فضحک رسو ل اللهﷺ حتی بدت نواجذه قال قلت من ایّ شئی ضحک قال من فعله بالرّجل(۱).

ترجمہ: عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ نبی کریمﷺ غزوۂ خندق کے موقع پرزور سے ہنسے تھے۔میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے۔انہوں نے کہا ایک (کافر) آدمی کے پاس ڈھال تھی اور سعدؓ مشہور تیر انداز تھے۔لیکن کافر ڈھال کو ادھر ادھر کر کے خود کو (ان کی تیروں سے) بچاتا تھا حضرت سعدؓ نے ایک مرتبہ تیر نکالا۔پس جونہی اس (کافر) نے (ڈھال سے) سر اٹھایا۔حضرت سعدؓ نے تیر مارا۔تو اس کی پیشانی تیر سے بچ نہ سکی۔وہ شخص الٹا ہوگیا۔پاؤں اوپر کو اٹھایا (یہ دیکھ کر) نبی کریمﷺ (اتنے زور سے) ہنسے کہ آپﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ نبی کریمﷺ کس بات سے ہنسے تھے انہوں نے کہا کہ حضرت سعدؓ کا اس کافر کا کام تمام کرنے سے۔

---

(۱) مسند احمد ۱/۱۸۶ (مختار)

ضحک یوم الخندق حتی بدت نواجذہ یعنی غزوہ خندق کے موقع پر آپ ﷺ بہت زور سے ہنسے تھے۔قال قلت کیف کان قال کے قائل یا محمد بن محمد ہیں۔جو عامر بن سعدؓ سے پوچھ رہے ہیں۔یا پھر عامر اپنے والد سعدؓ سے پوچھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کیوں ہنسے تھے۔یوں قال کے قائل عامرؒ ہونگے۔وکان سعد رامیاً اگر سائل محمد بن محمدؒ ہو پھر تو معنی ظاہر ہے۔صرف اتنا کیا ہے کہ عامر نے ''کان ابی'' کی بجائے ''کان سعد'' کہا ہے۔اور اگر سائل عامر اور جواب دینے والا سعدؓ ہو تو حضرت سعدؓ نے ''کنت رامیا'' کی بجائے اظہار کی بجائے اضمار کرکے اپنا نام لیا ہے۔یا حضرت عامر نے یہ تبدیلی کرکے روایت بالمعنی کی ہوگی۔بہرحال سند حدیث میں اس قسم کے تصرفات بکثرت موجود ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ کافر اپنی دفاع کرتے ہوئے مسلمانوں کی نگرانی کرتا رہا۔دوسری طرف مشہور تیرانداز حضرت سعدؓ اس تاک میں تھے کہ کس طرح موقعہ ملے تو اس کا کام تمام کردے اور اسے جہنم رسید کر۔یقول کذا و کذا بالترس بظاہر یہاں یقول کا معنی یفعل کیا جاتا ہے۔وہ ڈھال کے ذریعہ یوں یوں کرتا ہے یعنی ڈھال کو دائیں بائیں اوپر نیچے ہلا کر حضرت سعدؓ کی تیروں سے بچتا رہا۔کوئی تیر آتا تو سر اور پیشانی کو ڈھال سے چھپا دیتا تھا۔قول کا استعمال فعل کے معنی میں بکثرت موجود ہے۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ قول اپنے معنی میں ہو۔اور مراد یہ ہو کہ وہ کافر نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے حق میں یوں یوں کہتا تھا یعنی گالیاں بکتا تھا۔حضرت سعدؓ نے اس کے قبیح کلام کو کنایۃ ذکر کیا اور ''بالترس'' بعد کے ''یغطی'' کے ساتھ متعلق ہوگا یعنی ''وہ شخص ڈھال سے اپنی پیشانی کو چھپا دیتا تھا۔فنزع له سعد بسهم حضرت سعدؓ نے شست لگائی جونہی اس نے ڈھال سرکایا پیشانی تھوڑی سی ظاہر ہوئی حضرت سعدؓ نے تیر چھوڑا۔فلم یخطئی هذه منه ''هذه'' سے اشارہ پیشانی کو ہے جیسے کہ خود روای اس کی تفسیر کرتے ہیں۔تو معنی یہ ہوا کہ پیشانی تیر سے خطا نہ ہوئی یہاں لفظ میں قلب ہوا ہے معنی یہ ہے کہ تیر پیشانی سے خطا نہ ہوا۔نشانے پر لگا کافر گرا، پاؤں اٹھا برہنہ ہوگیا اور مرگیا۔

دوسری طرف نبی کریم ﷺ تماشہ دیکھ رہے تھے۔کافر کی عیاری وچالاکی کے مقابلے میں حضرت سعدؓ کی بیداری اور کامیابی سے آپ ﷺ خوش ہو کر زور سے ہنسے۔

شال برجله شول دراصل دم اٹھانے کو کہتے ہیں"**شال الفرس بذنبه**"یعنی گھوڑے نے بھاگتے ہوئے دم اٹھادیا۔ یہاں پر پاؤں کے لیے یہ لفظ استعارۃ مستعمل ہے۔

من ایّ شئی ضحک اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ یہاں پر کئی احتمال ہے۔کافر کی موت و بدحالی اور ذلت اس کی عورت کا ظاہر ہونا، اس کے سر کا نیچے اور پاؤں کا اوپر ہونا۔اور حضرت سعدؓ کی مہارت اور تیراندازی میں اصابت۔تو آپ ﷺ ان میں سے کس بات پر ہنسے تھے ظاہر ہے کہ سائل کو یہ بات مستبعد لگی ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کی شرمگاہ ظاہر ہونے کی وجہ سے ہنسے تھے۔چنانچہ پوچھ لیا **من فعله بالرجل** جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت سعدؓ کی حذاقت اور تیراندازی میں مہارت سے ہنسے تھے کہ اس نے کافر کے ساتھ عجیب معاملہ کیا۔جیسے آج کل کھیلوں میں دیکھا جاتا ہے کہ کوئی کھلاڑی جوایک گیند بھی صحیح پھینک دیتا ہے تو سارا مجمع اور تماشبین ایک شور برپا کر کے اس کی مہارت کی داد دیتے ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔مزید یہ کہ ایک مسلمان کی کامیابی اور کفر کی شکست بھی خوشی کا باعث تھی۔بہرحال آپ ﷺ کشف عورت یا کسی اور وجہ سے نہیں ہنسے تھے۔

خلاصہ باب

اس باب میں نبی کریم ﷺ کے ہنسی کی کیفیت اوراس کے محل کا بیان ہے۔مجموعی طور پر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ہنسی کا سبب یا تو رحمت خداوندی کا وفور اور بندے کی عاجزی و بے بسی جیسے کھری حقیقت ہے یا وہ خوشی اور مسرت ہے جو باطل کی شکست اور غلبۂ حق کی وجہ سے آپ ﷺ کو حاصل ہوئی۔ یا پھر حسن معاشرت اور صحابہ کی دلداری کی وجہ سے آپ ﷺ ہنسے ہیں۔ دنیوی مفرحات،لذائذ، مفادات اور عجائب آپ ﷺ کے وقار کو ہلا نہ سکتی تھی اور نہ مسرتوں سے بے قابو ہو کر بدمست لوگوں کی طرح آپ ﷺ قہقہے لگایا کرتے تھے۔ہنسی ہوتی تو محدود ہوتی اور وہ بھی اکثر و بیشتر تبسم کی صورت میں۔ہاں کبھی خوشی زیادہ ہوتی تو مسکراہٹ سے کچھ آگے بھی بڑھ جاتے تھے۔

بہر حال ہنسی آپ ﷺ کی ترجیحات میں سے نہیں ہے۔اسی لئے اکثر آپ ﷺ اس کی کثرت سے منع بھی فرماتے ہیں۔اور اوروں کو ہنسانے پر تو بری طرح نکیر بھی فرماتے ہیں۔

(اللّٰهمّ ارنا ضحک سنان الحبیب ﷺ یوم القیامة)

۳۶. باب ما جاء فی صفة مزاح رسول اللہ ﷺ

حضوراقدس ﷺ کے مزاح کرنے کا بیان

نبی کریم ﷺ کا مزاج بالکل خشک اور درشت نہ تھا۔اس لیے آپ ﷺ خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔آپ ﷺ کی خوش طبعی میں اس بات کی تعلیم بھی تھی کہ غم ،فکراور بوجھ کے باوجود انسان کو چاہیے کہ وہ کشادہ روئی کے ساتھ لوگوں سے تعلقات نبھائے۔اسی وجہ سے آپ ﷺ سے گپ شپ کے علاوہ مذاق بھی ثابت ہے جس میں ایذاء نہ تھی۔صحابہ سے انبساط بھی فرماتے تھے اسی کو مزاح کہتے ہیں۔اور عموماً ایسا مزاح ہنسی کا سبب بنتا ہے۔لہٰذا پچھلے باب کے ساتھ مناسبت بھی ظاہر ہے۔

آج کل تو مزاح کو بے قید آزادی دی جا چکی ہے۔ہر قسم کے گپ شپ بلکہ تمسخر کو جائز قرار دیا گیا ہے۔خصوصا یکم اپریل کو تو اس میں بہت زیادہ ایذاء رسانی ہوتی ہے۔مثلاً کسی کو فون پر بتایا جاتا ہے کہ تیرا بچہ جل گیا ہے، گھر گر گیا ہے یا باپ مر گیا ہے۔اس بیچارے پر قیامت آجاتی ہے اور فون کرنے والے کی جھوٹ بولنے کی شکایت کی جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں تو اپریل فول کر رہا تھا۔

<u>جائز مزاح کی شرائط:</u>　لیکن اسلام میں ہر قسم کا مذاق اڑانا جائز نہیں۔جس مزاح میں افراط ہو،کسی کی تذلیل وتحقیر ہو یا دوسری طرح کی ایذاء رسانی پر مشتمل ہو،اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ ناجائز ہے۔اسی طرح اسلام میں مزاح پر مداومت اور اس کی کثرت کو بھی قبیح تصور کیا جاتا ہے۔کیونکہ اس طرح ہر وقت ہنسنا پڑتا ہے اور کثرتِ ضحک سے مردہ دلی جنم لیتی ہے۔نیز ضروری مقاصد مثلاً علم،عبادت اور ذکر میں مخل گپ شپ سے احتراز بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔آج کل تو بعض بے لگام قسم کے واعظین ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

بہرحال ان منہیات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **لا تمار اخاک ولا تمازحه ولا تعدّه موعداً فتخلفهٗ**. یعنی اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔نہ اس کا مذاق اُڑاؤ اور نہ اس کے ساتھ ایسا وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ سے کسی نے کہا کہ مزاح تو قابل گرفت عمل ہے۔آپؒ نے کہا **بل سنة**

ولکن لمن یحسنه ویضعه مواضعه. نہیں مزاح سنت ہے لیکن ان لوگوں کے لیے جو اسے اچھے طریقے سے کرسکیں اور اپنے محل میں نبھا سکیں۔

چنانچہ اسلام میں حدود کے اندر گپ شپ لگانا جائز ہے جسے مزاح لطیف کہتے ہیں۔ نبی کریمﷺ سے خود مزاح ثابت ہے۔لیکن ایسا مزاح ثابت نہیں جو وقار اور تمکنت کے خلاف ہو۔جو مزاح کیا ہے وہ کم ہونے کے ساتھ ساتھ بے لاگ حقائق اور حکمتوں سے بھرپور ہے جو محض بظاہر مزاح دکھائی دیتا ہے۔

عرفاً مزاح وہ ہوتا ہے جس کا مفہوم کھوکھلا اور بے حقیقت ہو لیکن آپﷺ کا مزاح اس نوعیت کا نہ تھا بلکہ آپﷺ کے بقول "**انی لااقول الاحقا**" آپﷺ نے اگر گپ لگائی ہے تو درست اور نفس الامری بات میں لگائی ہے(۱)۔

(۱) حدثنا محمود بن غیلان أنبانا أبو أسامة عن شریک عن عاصم الأحول عن أنس بن مالک قال أنّ النبیّﷺ قال له یاذا الأذنین قال محمود قال أبو أسامة یعنی یمازحه(۲).

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے اسے مخاطب کرکے فرمایا "**یاذا الأذنین**" (اے دو کانوں والے) محمود بن غیلانؒ کہتے ہیں کہ ابو اسامہؒ نے کہا کہ حضرت انسؓ کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریمﷺ ان کے ساتھ مزاح کرتے تھے۔

---

(۱) علامہ عبدالجواد الرومیؒ نے رسول اللہﷺ کے مزاح کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے **سئل بعض السلف عن مزاحهﷺ فقال کانت له المهابة العظمیٰ فلولم یمازح النّاس لماأطاقوا الاجتماع به والتلقی عنه**(الاتحافات ۲۸۴) یہی وجہ تھی کہ آپﷺ تہجد کے بعد اپنے اہل خانہ سے کچھ دل لگی کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ آنحضرتﷺ کا تہجد کے بعد اہل خانہ سے باتیں کرنا اس لئے تھے تاکہ ان تجلیات کا اثر زائل ہوجائے جن کا تحمل عامۃ الناس نہیں کرسکتے تھے۔(تقریر ترمذی حضرت مدنیؒ ص۸۵۱) امام غزالیؒ کے اس قول سے اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ کا مزاح کرنا ضرورۃً تھا۔اس لئے اس پر قیاس نہ کیا جائے۔ مگر جمہور فقہاء کرام کے ہاں مزاح کرنا ضرورۃً جائز ہے اگرچہ اس کو عادت بنانا درست نہیں (مختار)

(۲) **سنن ابی داؤد ۲/۳۳۵ کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح، جامع ترمذی ۲/۶۳ کتاب البر والصلة باب ماجاء فی المزاح، شرح السنة للبغوی رقم حدیث ۳۶۰۶**(مختار)

ذالاذنین کا مطلب: یاذا الاذنین یعنی آپ ﷺ نے بطور دل لگی فرمایا ''یاذالأذنین'' اگرچہ ہر شخص کے دوکان ہوتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے اس مزاح میں مخاطب کا استیناس یعنی مخاطب پر چھا جانے والے رعب کوکم کرنا مقصود تھا۔ اور مانوس کرانا تھا۔ جس سے مزاح کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ حضرت انسؓ کا سامعہ تیز ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اسے ذوالاذنین کہا ہو۔ جیسا کہ علامہ بیجوریؒ کہتے ہیں کہ وصفه بذالک مدحاً له لذکاءه و فطنته۔ چنانچہ یہ کلام حسنِ استماع سے کنایہ ہوگا۔ جبکہ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ حضرت انسؓ کانوں کے طول یا کوتاہی یا کسی دوسرے عیب کی وجہ سے ممتاز تھے۔ اس لیے ان کو اس نام سے پکارا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تعبیر میں بھی بڑا درس ہے۔ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اے مخاطب اللہ تعالیٰ نے تجھے دوکان دیئے ہیں تاکہ تم حق سنو اور اس میں غفلت نہ برتو۔ تیرے دماغ کو دوراستے جاتے ہیں۔ تدبر اور تفہم کے بہترین اسباب دیئے گئے ہیں ان سے کام لو۔ اور سنی ہوئی بات کو سماعِ تدبر سے سن کر اس سے استفادے کے مواقع ضائع نہ کرو۔

(۲) حدّثنا هنّاد بن السريّ ثنا وكيع عن شعبة عن أبي التيّاح عن أنس ابن مالك قال ان كان النبيّ ﷺ ليخالطنا حتّى يقول لاخ لي صغير ياأ باعمير ما فعل النّغير قال أبو عيسىٰ وفقه هذا الحديث أنّ النبيّ ﷺ كان يمازح وفيه انّه كنّى غلاماً صغيراً فقال له يا أبا عمير وفيه انّ لا باس ان يعطى الصّبيّ الطّير ليلعب به وإنّما قال له النبيّ ﷺ ياأبا عمير مافعل النغير لأنّه كان له نغير فيلعب به فمات فحزن الغلام عليه فمازحه النبيّ ﷺ فقال ياأبا عمير ما فعل النغير(۱).

---

(۱)صحيح بخاری۲/۹۰۵ کتاب الادب باب الاستنباط إلى الناس وصحيح مسلم ۲/۲۱۰ کتاب الادب باب ماجاء استحباب نخيل ولمولدعندو لادته الخ، جامع ترمذی ۱/۱۸۵ کتاب الصلوٰة باب ماجاء فی الصلوٰة علی السبط، سنن الكبرىٰ للنسائی کتاب عمل اليوم الليلة، سنن ابن ماجة ۱/۲۷۲ کتاب الادب باب المزاح،(مختار)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم (چھوٹے بڑوں) سے میل جول رکھتے تھے۔حتیٰ کہ آپ ﷺ میرے ایک چھوٹے بھائی سے (بطور انبساط) فرماتے کہ ''اے ابوعمیر تیرے بلبل کو کیا ہو گیا''

مزاحی جملوں میں بھی حقائق کا سمندر: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ مزاح کیا کرتے تھے۔اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے چھوٹے بچے کو بھی کنیت سے پکارتے ہوئے ''ابوعمیر'' کہا۔اس میں یہ بھی ہے کہ چھوٹے بچے کو کھیلنے کے لیے پرندہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور نبی کریم ﷺ نے اس بچے کو ''**یا أبا عمیر ما فعل النغیر**'' اس لیے کہا کہ اس بچے کا ایک بلبل تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔اس کی موت سے وہ بچہ بہت غمزدہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے دل لگی کرتے ہوئے کہا کہ ابوعمیر تیرا بلبل کہاں چلا گیا۔

حضرت ابوعمیر: أبو عمیرؓ یہ حضرت انسؓ کے اخیافی بھائی تھے۔ان کے والد حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاریؓ ہیں۔علامہ ابن حجرؒ نے ان کا نام حفص بتایا ہے۔جبکہ علامہ بیجوریؒ نے کبشہ لکھا ہے۔کم سنی میں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں وفات پائی۔ان کی وفات کے بعد ان کی والدہ ام سلیمؓ نے گھر والوں کو کہا کہ اس کے والد ابوطلحہؓ کو میرے سوا کوئی وفات کی خبر نہ دے۔چنانچہ شام کو جب ابوطلحہ نے بچے کے بارے میں پوچھا تو ام سلیمؓ نے بتایا کہ آرام سے ہے۔انہوں نے کھانا کھایا۔رات کو بیوی ام سلیمؓ کے ساتھ ہمبستری بھی کی تو صبح کے وقت ام سلیمؓ نے بتلا دیا کہ بچے کی وفات ہو چکی ہے۔لیکن ثواب کی نیت سے صبر کرنا۔نبی کریم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو دعائیں دیں اور ابوعمیرؓ کے بدلے اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن ابی طلحہ کو پیدا کیا جس میں بڑی برکتیں عطا کی گئی تھیں۔

لیخالطنا یعنی نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ بے تکلف رہتے تھے۔گپ شپ میں شریک ہوتے تھے۔ابوعمیرؓ سے مزاح کا قصہ امام ترمذیؒ کے بیان کے مطابق یوں تھا کہ اس بچے نے ایک پرندہ پال رکھا تھا۔جو مر گیا تھا۔اس کی موت سے اسے دکھ ہوا تھا۔نبی کریم ﷺ نے اس کی خاطر داری کے لیے فرمایا ''اے ابوعمیر تیری بلبل کو کیا ہو گیا ہے'' یعنی کیا وہ تم سے روٹھ کر مر گیا ہے۔

نغیر چڑیا کی طرح کا ایک چھوٹا سا پرندہ ہے بعض نے چڑیا کے بچے ہی کو نغیر کہا ہے۔کچھ شراح

کہتے ہیں کہ یہ چھوٹے چونچ اور سرخ سر والا ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جسے لال یا بلبل کہتے ہیں۔

قال أبو عیسیٰ الخ امام ترمذیؒ فقہ الحدیث کے عنوان سے اس حدیث کی باریکیاں بیان کرتے ہیں کہ اس مقام پر اس کم سن بچے کے ساتھ مزاح میں متعدد امور کو اشارہ ہے۔ مثلاً یہ کہ نبی کریمﷺ بھی مزاح کیا کرتے تھے اور یہ کہ چھوٹے بچے کو کنیت سے پکارنا جائز ہے(۱)۔ نیز پرندوں کے ساتھ کھیلنا بچوں کا کام ہے۔ اوران کے لیے جائز بھی ہے۔ بڑوں کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

بعض مسائل مستنبطہ: بہرحال نبی کریمﷺ کے جوامع الکلم کا اعجاز تھا کہ آپﷺ کے کلام کے لفظ لفظ میں دقائق موجود ہیں۔ بلکہ اس جملہ کے بارے میں بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے سو سے زائد مسائل کا استخراج کیا جاتا ہے(۲)۔ بعض فوائد کو حواشی میں بھی نقل کیا گیا ہے مثلاً

(۱) تکنیۃ الصغیر جائز ہے۔

(۲) چھوٹے بچوں کے لیے پرندوں کے ساتھ کھیلنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اسے اذیت نہ دیں۔

(۳) مدینہ منورہ کے شکار کا حکم وہ نہیں جو حرم پاک کے شکار کا ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔

(۴) استفہام کے ادات استعلام کی بجائے دوسرے اغراض کے لیے بھی درست ہیں۔

(۵) تصغیر الاسماء جائز ہے۔

(۶) مسجع کلام کرنا ممنوع نہیں البتہ اس میں تکلف سے بچنا چاہیے۔

(۷) چھوٹے اور عمر رسیدہ لوگوں کی دلجوئی کے لیے ان سے دل لگی کرنا جائز ہے۔

اس طرح ضعفاء کی کمالِ رعایت کی ترغیب دی گئی ہے۔

---

(۱) یاد رہے کہ کنیت کے لئے حقیقت ضروری نہیں۔ کبھی کبھار تفاؤلاً بھی کنیت رکھی جاتی ہے۔ جیسے ابوالکلام، ابوالحسنات وغیرہ۔ ان دونوں مثالوں سے بالکل واضح ہے۔ اس لئے نہ کلام کا تو باپ ہوتا ہے اور نہ حسنات۔ چونکہ اب کا ایک معنی صاحب یعنی ساتھی کے بھی آتا ہے۔ اس لئے ابوالکلام سے مراد صاحب الکلام اور ابوالحسنات سے صاحب الحسنات مراد ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کنیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی بیٹی نہیں تھی یہ کنیت تفاؤلاً رکھی گئی تھی۔ تو یہاں پر بھی اس بچے کے لئے آنحضرتﷺ نے تفاؤلاً کنیت استعمال کی۔ علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے وھو لا بأس به لأن الكنيّة قد تكون للتفاول بانّه يعيش ويصير اباً لكونه يولدله(المواهب اللدنية ۱۵۱)(مختار)

(۲)قال البيجوريؒ افردها(يعنى فوائد هذاالبحث) ابن القاصّ بجزء ۱۲ المواهب اللدنية(مختار)

(۳) حدّثنا عباس بن محمّد الدوریّ قال أنا علیّ بن الحسن ابن شقیق أنا عبداللّٰہ بن المبارک عن أسامة بن زید من سعید المقبری عن أبی ھریرة قال قالوا یا رسول اللّٰہﷺ إنّک تداعبنا قال إنّی لا اقول إلّاحقا تداعبنا یعنی تماز حنا(۱).

ترجمہ: ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللّٰہﷺ آپ تو ہمارے ساتھ مزاح کرتے ہیں۔ تو آپﷺ نے فرمایا۔ میں تو حق بات ہی کہتا ہوں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ’’تداعبنا‘‘ سے مراد مزاح کرنا ہے۔

انّک تداعبنا چونکہ نبی کریمﷺ نے کثرتِ مزاح سے صحابہ کو منع فرمایا تھا اس لیے ان کو یہ بات عجیب لگی کہ خود آپﷺ مزاح فرماتے ہیں۔ مگر نبی کریمﷺ نے جواباً یہ توجیہ پیش کردی کہ میں نے تو اس مزاح سے منع کیا ہے جس میں خلافِ حقیقت باتیں، دروغ گوئی، یا تمسخر ہو۔ جبکہ میں ایسی سچی باتوں سے دل لگی کرتا ہوں جس میں مذکورہ عیوب نہیں ہوتے۔ چنانچہ آپﷺ کا مزاح حق وراستی کا مظہر ہوتا تھا۔ اور اس میں سینکڑوں حکمتیں پنہاں ہوتی تھیں۔

تداعبنا یعنی تماز حنا مداعبہ کسی کی دلجوئی کے لیے دل لگی کرنے اور ملیح اور میٹھے بول بولنے کو کہتے ہیں۔

(۴) حدّثنا قتیبة بن سعیدثنا خالد بن عبداللّٰہ عن حمید عن أنس ابن مالک إنّ رجلا استحمل رسول اللّٰہﷺ فقال إنّی حاملک علی ولدناقة فقال یارسول اللّٰہﷺ ما اصنع بولدالنّاقة فقال رسول اللّٰہﷺ وھل تلدالابل إلاّالنوق(۲).

---

(۱)الادب المفرد للبخاری ۷۷ رقم الحدیث ۲۶۵ باب المزاح، السنن الکبریٰ للبیھقی ۱۰/ ۲۴۸، شرح السنة رقم الحدیث ۲۰۲ ۲، مسنداحمد ۲/ ۳۶۰ (مختار)

(۲)سنن ابی داؤد ۲/ ۳۳۴ کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح، جامع الترمذی ۲/ ۴۶۳ کتاب البروالصلة باب ماجاء فی المزاح، السنن الکبریٰ ۱۰/ ۲۴۸ (مختار)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے سواری (کیلئے اونٹنی) طلب کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اونٹنی کا بچہ سواری کے لیے دے دیتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹوں کو اونٹیاں ہی جنتی ہیں۔

ان رجلاً استحمل استحمال "حملوه" یعنی سواری طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ما اصنع بولدالخ یہاں سائل کو یہ وہم لاحق ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ اونٹنی کا چھوٹا بچہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ اسے سوچنا چاہیے تھا کہ کہیں اس عام کے ضمن میں خاص وَلَد تو مراد نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مذاق میں اسے تنبیہ کردی کہ کسی بات سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قبل عقلمند آدمی کو اس پر سوچنا چاہیے۔ اور تمام پہلوؤں پر غور وفکر کرنے کے بعد اگر کوئی اشکال باقی رہے تو اس کی وضاحت کے پیچھے پڑنا چاہیے۔

(۵) حدثنا إسحاق بن منصور ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن ثابت عن أنس بن مالک إنّ رجلا من أهل البادية كان إسمه زاهراً وكان يهدى إلى النبىّ ﷺ هديّة من البادية فيجهّزه النبىّ ﷺ إذا أرادان يخرج فقال النبىّ ﷺ إنّ زاهراً باديتنا و نحن حاضروه وكان رسول الله ﷺ يحبّه و كان رجلا دميما فاتاه النبىّ ﷺ يوماً وهو يبيع متاعه واحتضنه من خلفه ولا يبصره فقال من هذا أرسلنى فالتفت فعرف النبىّ ﷺ فجعل لا يالوما الصق ظهره بصدر النبىّ ﷺ حين عرفه فجعل النبىّ ﷺ يقول من يشترى هذا العبد فقال الرجل يا رسول الله ﷺ إذا والله تجدنى كاسداً فقال رسول الله ﷺ لكن عندالله لست بكاسدٍاو قال أنت عندالله غال(۱).

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ زاہر نامی ایک دیہاتی شخص تھا۔

---

(۱)شرح السنة للبغوی۱۳/۱۸۱ کتاب الرقاق باب المزاح رقم الحدیث۳۶۰۴، مصنف عبدالرزاق،مسنداحمد۳/۱۶۱(مختار)

وہ نبی کریم ﷺ کو دیہات کے ہدایا (سبزی، پھل اور شہد وغیرہ) لایا کرتے تھے۔ اور جب مدینہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تو نبی کریم ﷺ کچھ (شہری چیزیں) عطیہ کر کے رخصت فرماتے تھے۔ (ایک بار) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زاہر ہمارا دیہات اور ہم اس کے شہر ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو اس کے ساتھ محبت تھی۔ زاہر بدصورت بھی تھے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ اس کے پاس اس حال میں آئے جب وہ اپنا (دیہاتی) سامان فروخت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے پیچھے سے آ کر گود میں لیا۔ یوں کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ حضرت زاہر بولے کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔ پھر تھوڑا منہ پھیر کر دیکھا تو نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا۔ پھر پہچان لینے کے بعد کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینے سے ملنے ملانے میں۔ پس نبی کریم ﷺ نے (اعلان کے انداز میں) کہا کون ہے جو اس غلام کو خرید لے۔ اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم بیچتے ہوئے تم مجھے کم قیمت کا پاؤ گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تو تیری قیمت کم نہیں ہے۔ یا یوں فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بیش قیمت ہے۔

حضرت زاہرؓ اور حضور اقدس ﷺ کی بے تکلفی: زاہر بن حرام الاشجعی حجاز کے دیہات میں رہنے والے تھے۔ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اسے بدری صحابی بتایا ہے۔ جبکہ دوسرے علماء ان کے بدری ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دراصل بدوی کی تصحیف ہے۔ حضرت زاہرؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آتے ہوئے کچھ نہ کچھ دیہاتی ہدیہ ضرور لاتے۔ اور آپ ﷺ بھی ان کو عطایا سے نوازتے تھے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ انکو "بادیة آل محمد" کے نام سے پکارتے تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ بے تکلفی کی وجہ سے دونوں طرف سے مزاح کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ اکثر دیہات کے ہدایا پیش کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی بازار میں کوئی چیز پسند آتی تو خرید کر نبی کریم ﷺ کی

خدمت میں پیش کردیتے تھے۔اور پھر جب بیچنے والا رقم کا تقاضا کرتا۔تو نبی کریم ﷺ سے کہہ دیتے کہ اس چیز کی قیمت دے دو۔آپ ﷺ فرماتے کہ تم نے تو مجھے ہدیہ دیا ہے۔تو کہہ دیتے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔آپ ﷺ ہنس کر خود قیمت چکا دیتے تھے۔

بادیہ اور حاضرہ: ھدیة من البادیة دیہات کا ہدیہ عموماً معمولی ہوتا ہے۔اکثر اوقات میں پھل، پھول، سبزی، مرغی، شہد، انڈوں وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔فیجھزہ النبی ﷺ نبی کریم ﷺ بہت غیور اور سخی تھے(۱)۔اس لیے رخصت کرتے وقت شہر کی قیمتی چیزیں بطور عطیہ دے کر رخصت فرماتے۔ان زاھراً بادیتنا یہاں پر یا تو حرف تشبیہ مخدوف ہے۔تقدیر یوں ہوگی "کبادیتنا" یعنی وہ ہمارے لیے دیہات کی طرح ہے یا مضاف مقدر ہوگا یعنی "ان زاھراً اھل بادیتنا" یا پھر تاء مبالغہ کے لئے ہے اور بادی بمعنی بدوی کو مبالغة بادیة کہہ دیا ہے۔جیسے راوی کو راویة کہا جاتا ہے۔

ونحن حاضروہ. یعنی زاہرؓ دیہات کی چیزیں ہمارے پاس لاتے ہیں اور ہم ان کی شہری ضروریات پوری کرتے ہیں۔رجلا دمیما دمیم دمامة سے صفت مشبہ ہے بدصورت کو کہتے ہیں یعنی آپؓ خوبصورت نہیں تھے۔پھر بھی نبی کریم ﷺ کو آپؓ کے اخلاص کی وجہ سے آپؓ سے محبت تھی۔

وھو یبیع متاعه اس قصہ کو علامہ بیجوریؒ نے کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ یوں کہ حضرت زاہر ایک بار بازار میں دو مشک لئے ہوئے کچھ فروخت کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔آپ ﷺ نے آ کر ایک مشک کھولنے کی فرمائش کی۔اور اس میں انگلی ڈبو کر اس (کے گھی یا شہد وغیرہ) کو دیکھ لیا۔اور زاہر سے کہا کہ اس کو پکڑ لو۔پھر دوسر مشک کھلوا کر اسے دیکھا۔اور زاہر کے دوسرے ہاتھ میں تھما دیا۔اس کے بعد جب زاہر کا دھیان نہیں رہا۔آپ ﷺ چھپ کر پیچھے سے آئے۔اور اس کو گود میں لے کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا تا کہ زاہر کچھ دیکھ نہ سکے۔حضرت زاہرؓ نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر جب پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو پکڑ رکھا ہے۔تو مزید تقرب کی کوشش کرنے لگے۔اور اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینے کے ساتھ ملنے لگے۔اس سے آگے حدیث میں یہاں مذکور ہے۔ولا یالو الخ یعنی پہچان لینے کے بعد زاہر نے اپنی پیٹھ نبی کریم ﷺ کے سینے کے ساتھ ملنے میں کوئی کوتاہی نہ کی (الٰی یالو

(۱) کان النبی ﷺ یقبل الھدیة و یثیب علیها (بخاری کتاب الھبة ۱/۳۵۲) (مختار)

ألوأ کوتاہی کرنے کو کہتے ہیں) یہ اس لیے تا کہ اس قرب سے برکتیں حاصل ہوں۔ جو حسن اتفاق سے آج مل گیا ہے۔ نیز اس قربت میں جو لذت ہے وہ تا دیر قائم رہے۔ **ما الصق ظهره** **مامصدر** یہ ہے **الصاق ظهر** کے معنی میں ہے۔

من يشترى هذا العبد اگر چہ حضرت زاہرؓ غلام نہ تھے لیکن آپ ﷺ نے ازراہِ مزاح کہا کہ اس غلام کو کون خریدے گا۔ حضرت زاہرؓ گویا تو اس کی بدصورتی کی وجہ سے غلام کہا ہے یا اس کی قابلِ قدر خدمات کی وجہ سے خادم کی جگہ عبد کا لفظ استعمال کیا ہے یا عبد کا لفظ ان کا کاروبارِ دنیا میں محو ہونے اور غیر اللہ میں مشغولیت سے کنایہ ہے۔ اس طرح مزاح کے ساتھ ساتھ اس جملے میں حضرت زاہرؓ کو اس بات پر تنبیہ بھی ہے کہ وہ بازار میں سودا سلف میں یوں منہمک ہے جیسے کہ دنیا کا بندہ بنا ہوا ہے۔ حالانکہ میرے عشاق کو دنیا میں جی نہیں لگانا چاہیے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ سے بُعد لازم نہ آئے۔

لكن عندالله لست بكاسد كسدا لشئى کھوٹا ہونے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح کسی چیز کی بازار میں بے قدری اور قیمت میں کمی کو بھی کساد کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا خیال ہے کہ میری قیمت نہیں لگے گی۔ میرا بیچنا خسارے کا ہوگا۔ تمہارے لیے یہ گھاٹے کا سودا ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عنداللہ تم ایک قیمتی انسان ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کی صورت اور اس کے مال کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ دل اور عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ملحوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے گھاٹے کی سودا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(٦) حدثنا عبد بن حميدثنا مصعب بن المقدام ثنا المبارك ابن فضالة عن الحسن قال اتت عجوز النبى ﷺ فقالت يا رسول الله ﷺ ادع الله ان يدخلنى الجنّة فقال ياامّ فلان إنّ الجنّة لا تدخلها عجوز قال فولّت تبكى فقال اخبروها إنّها لا تدخلها وهى عجوز إنّ اللّٰه تعالىٰ يقول إنّاانشأنا هن انشاءً فجعلنا هن ابكارًا(١).

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت نبی کریم ﷺ کے پاس

(١) مصنف ابن ابی شیبۃ مجمع الزوائد ١٠/٣١٩ (مختار)

آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ام فلاں جنت میں بوڑھی عورتیں نہیں جائیں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگیں۔ تو آپ ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا کہ اس عورت کو بتادو کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائیگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ہم (جنت کی) ان عورتوں کو ایک خاص طرح کی خلقت سے پیدا کریں گے۔ پس ہم ان کو (ہمیشہ کے لیے) کنواری رہنے کی صفت سے پیدا کریں گے۔

<u>الحسن البصری:</u> یہ روایت حسن بصریؒ سے مرسل مروی ہے حضرت حسن بن ابی الحسن یسار بصریؒ اپنے زمانے کے امام اور تابعین کے سرخیل ہیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت سے دو سال قبل ولادت ہوئی۔ حضرت علیؓ کو خلافت کی سپردگی کے موقع پر آپؒ کی عمر چودہ برس تھی۔ آپؒ نے حضرت علیؓ سے علوم سیکھے۔ نیز حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ انتہائی فصیح اور صاحب مناقب وکمالات تھے ان کے والد یسارؒ حضرت زید بن ثابتؓ کے غلام اور والدہ خیرہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی رہ چکی تھیں۔ بچپن میں جب ان کی والدہ مصروف ہوتی تھی تو آپ کو ام المومنین ام سلمہؓ بہلاتی تھیں بلکہ روتے وقت آپؒ کے منہ میں اپنا پستان دے دیتی تھیں کہا جاتا ہے کہ اسی کی برکت سے آپؒ کو علوم و معارف اور فصاحت میں بڑا مقام ملا تھا حتیٰ کہ آپ کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ ہوتا تھا۔ دنیوی مباحث آپ کی مجلس میں نہیں ہوتے تھے۔

صورت کے لحاظ سے بھی آپ بہت حسین تھے۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار ناکام رہا۔ ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ تمام لوگ جنازہ کے لیے نکلے۔ حتیٰ کہ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ بصرہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز نہیں پڑھی گئی۔

اتت عجوز الخ ایک قول کے مطابق یہ بڑھیا آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ تھیں۔

یا ام فلان الخ نبی کریم ﷺ نے بیٹے کی طرف نسبت کرکے ان کو پکارا۔ اور قول مذکور کے

مطابق ''ام زبیر'' سے پکارا ہوگا۔مگر راوی سے نام بھول گیا۔اس لئے اس نے ذکر کرتے وقت ام فلاں کہہ دیا۔**فولت تبکی** نبی کریم ﷺ کے مزاح کا مطلب نہ سمجھنے کے سبب وہ عورت منہ پھیر کر رونے لگیں۔ **فقال اخبروھا۔** نبی کریم ﷺ نے اس بڑھیا کو تسلی دلوانے کا صحابہ کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرائیں گے۔مگر بڑھاپے کی حالت میں نہیں۔ بلکہ جوان اور ہمیشہ کے لیے کنواری بنوا کر وہ جنت میں داخل فرمائیں گے۔اور ساتھ ساتھ وہ خاوند کی محبوب ان سے محبت کرنے والی اور ہم عمر بھی ہونگیں۔

خلاصۂ باب

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت رعب بخشا تھا خود فرماتے ہیں نصرت بالرعب مسیرة شہر یعنی ایک مہینے کے سفر کے فاصلے تک میرا رعب چھایا رہتا ہے۔

شمائل میں یہ حدیث بھی گزری ہے کہ "من رآه بداهةً هابهٗ "یعنی اچانک دیکھنے والے شخص پر آپ ﷺ کی ہیبت چھا جاتی تھی۔ایسی حالت میں ایک ہادی کے لیے لوگوں کو مانوس کرنا اوران کے اور دیگر لوگوں کے درمیاں حجاب کو زائل کرنا ضروری ہوتا ہے۔تاکہ فیض کا اکتساب ہو سکے اور ہدایت کا سلسلہ آگے بڑھے۔اوراسی لیے آپ ﷺ انبساط سے کام لیا کرتے تھے۔

خوش طبعی اور کشادہ روئی کوئی عیب نہیں۔بلکہ دینی مقاصد کے حصول کے لیے اور عوام کو دین کی طرف ترغیب دلانے کے لیے ضروری ہے اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور ائمہ کرام میں بھی مزاح بکثرت پایا جاتا ہے حضرت علیؓ اس سلسلے میں مشہور تھے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے بھی مزاح بکثرت منقول ہے حضرت سویبطؓ اور حضرت نعمانؓ کے ایک مزاحیہ قصہ کو یاد کر کے نبی کریم ﷺ ایک سال تک ہنسا کرتے تھے۔امام شعبیؒ اور ابن سیرینؒ بھی مزاح کیا کرتے تھے اس باب میں نبی کریم ﷺ کا عمل مذکور ہے مگر آپ ﷺ کے مزاح کے واقعات صرف انہی واقعات میں منحصر نہیں ہے حضرت عائشہؓ سے ایک قولی روایت بھی مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ "انه ﷺ كان يمزح و يقول إنّ الله تعالىٰ لا يؤخذ المزاح الصادق فی مزاحه"(بیجوری و مناوی) لیکن پھر بھی شریعت نے مزاح کو چند شروط سے مشروط کیا ہوا ہے جو یہ ہیں:

(۱) اسمیں افراط اور مداومۃ نہ ہو کیونکہ کثرتِ مزاح قساوت قلبی کا باعث بنتا ہے نیز ذکر الٰہی کے لیے رکاوٹ ہوتا ہے۔

(۲) کسی کی ایذاء پر مشتمل نہ ہو ورنہ نا جائز ہے۔

(۳) وقار و تمکنت کے خلاف نہ ہو۔

(۴) جھوٹ، بہتان اور غیبت وغیرہ ممنوعات و محذورات شرعیہ سے خالی ہو۔

۳۷. باب ما جاء فی صفة کلام رسول اللہ ﷺ فی الشعر

رسول اللہ ﷺ کا شعر وشاعری سے تعلق کے بیان میں

اس سے قبل مطلق کلام اوراس کے متعلقات جیسے مذاق وغیرہ کا ذکر تھا۔اب شعر وشاعری کے ساتھ آپ ﷺ کے تعلق کو بیان کیا جاتا ہے جو کہ کلام کی ایک قسم ہے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ نے شعر کہے ہیں یا نہیں۔اوردوسروں کے اشعار اپنے کلام میں مستعمل فرمائے ہیں یا نہیں۔

شعر کے معنی ہیں ''کلام مقفیً موزون قصداً''یعنی وہ کلام جسے قصداً قافیہ اوروزن کا پابند کردیا گیا ہو۔قافیہ اس کلمہ کو کہتے ہیں جس پر شعر ختم ہو،اوروزن ان خاص بحور کا نام ہے۔جن کے مطابق اشعار کہے جاتے ہیں۔ہاں اس میں قصد واختیار کو دخل ہونا چاہیے۔لہٰذا اگر کسی شخص کی زبان سے بے اختیار کوئی موزوں اور مقفی کلام نکلے تو نہ کلام شعر ہوگا نہ کہنے والا شاعر کہلانے کا مستحق ہوگا۔

حکمت الٰہی کی وجہ سے آپ ﷺ کا شعر وشاعری سے دور رہنا: نبی کریم ﷺ کا شاعر نہ ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اس کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے''وما علّمناه الشعر و ما ینبغی له''یعنی نہ اس پیغمبر کو ہم نے شعر کی تعلیم دی ہے نہ شعر کہنا اسے زیب دیتا ہے۔

کیونکہ شعر میں عموماً مبالغہ آرائی،جھوٹ اور خلاف حقیقت باتیں آتی ہیں۔شعراء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والشعراء یتبعهم الغاوون الم تر أنّهم فی کل وادٍ یهیمون (الشعراء)

ترجمہ: اور شاعروں کی اتباع گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کلام کی ہر صنف کی وادی میں متحیر ہو کر پھرتے ہیں۔(طبع آزمائی کرتے ہیں)

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شعر سے دور رکھا۔علاوہ ازیں شعر وشاعری اور کتابت امّیۃ کی صفت کے منافی ہے۔اس لئے آپ ﷺ شاعر نہیں ہو سکتے تھے۔اب اگر نبی کریم ﷺ کے کلام میں کچھ ایسے جملے آئے ہیں جو شعر میں داخل ہیں تو وہ یا تو استشہاد اور اقتباس کے طور پر آئے ہیں یعنی آپ ﷺ نے کسی مقصد کے لیے دوسرے شعراء کا کلام نقل کیا ہے اور چونکہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بلند ادبی ذوق بخشا تھا شعر کی باریکیوں،بلاغت اور حسن وقبح کو سمجھتے تھے۔اس لیے مضمون کے لحاظ سے اچھے اشعار کو

اپنے خطاب میں استعمال فرماتے تھے اور اگر کسی موقع پر خود نبی کریم ﷺ کی باتوں میں موزوں و مقفّی کلام وارد ہوا ہے تو وہ شعر اور وزن کے قصد سے نہ تھا اور نہ ایسے جملے تو اتفاقی طور پر ہر شخص کی زبان و قلم سے تقریر و تحریر کے موقع پر نکلتے ہیں۔ جو وزن پر پورا اترتے ہیں لیکن قصد و ارادہ نہ ہونے کے سبب ہم اسے شاعر نہیں کہتے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا شاعر نہ ہونا بوجہ عجز نہیں کیونکہ جب بلا قصد آپ ﷺ سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو وزن و قافیہ پر پورا اتریں تو اگر قصد و ارادہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی تو پھر آپ ﷺ کے اشعار کی نظیر نہ ہوتی۔ لہٰذا آپ ﷺ کا شاعری سے دور رکھنا حکمتِ الٰہی کے سبب ہے۔ کہ یہ چیز پیغمبر ﷺ کے شایانِ شان نہیں۔

شعر کا حسن مرتبہ اس کے مضمون پر منحصر ہے: رہی یہ بات کہ شعر و شاعری کا شریعت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ اس کا اصل جواب یہ ہے کہ تقریباً ہر چیز میں حسن بھی ہوتا ہے۔ اور دوسری جہت سے قبح بھی ہوتی ہے اگر حسن کی جہت سے استعمال ہو تو وہ حَسن اور اچھا ہے لیکن قبح کی جہت سے یہی چیز بُری بھی ہوسکتی ہے تو شعر کے بارے میں بھی علماء کا فیصلہ وہی ہے کہ ''حَسَنه حسن و قبيحه قبيح (۱)'' جو اچھے اشعار ہیں۔ مثلاً جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت اور دین کا دفاع ہو وہ حسن ہے۔ یا پھر محض منظر کشی ہے، مبالغہ آرائی، جھوٹ اور فحاشی نہیں تو وہ اشعار بھی جائز ہیں۔ لیکن جو خرافات ہیں جیسے امرأ القیس یا متنبی کے بعض رومانی یا ہجویہ کلام، تو وہ قبیح ہیں۔ اسی کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

لان يمتلى جوف رجل قيحا يريه خير من ان يمتلى شعراً(۲)

کسی آدمی کا دل پیپ سے بھر کر اس کا زہر اس کے دل کو فاسد کر کے کھا جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ اس کا دل شعر سے بھر جائے۔

حضرت عمرؓ نے اس قسم کے بعض شعراء کو جلا وطن کر دیا تھا۔ گویا شعر ایک ہتھیار ہے جسے دشمن کی سرکوبی اور اپنے دفاع کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور ایک بے گناہ پر ظلم کرنے کے لیے بھی

---

(۱) اور ایسا ہی علامہ عبد الجواد الدومیؒ نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے کہا ہے کہ حضرت اقدس ﷺ سے شعر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ الشعر كلام حسنه حسن قبيحه قبيح (الاتحافات ص ۲۹۰) (مختار)

(۲) رواه مسلم عن ابى هريرةؓ و ابى سعيد الخدریؓ ج ۲ ص ۲۴۸ (۱۲ مرتب)

استعمال کیا جاسکتا ہے۔حاصل یہ کہ شعر کے حسن وقبح کا فیصلہ کلام کے دوسرے اصناف کی طرح مضمون کے اعتبار سے ہوگا۔تو اس میں حرام،مکروہ،خلاف اولیٰ اور باعث اجروثواب ہر قسم پایا جاتا ہے۔

حضوراقدس ﷺ کی بعض شعراء کی قدر افزائی: خود نبی کریم ﷺ نے بھی بعض شعراء کی تحسین فرمائی ہے۔حضرت حسان بن ثابتؓ کی آپ ﷺ بڑی قدر کرتے تھے بلکہ حکم دیتے تھے کہ اُھجھم۔یعنی کافروں کی ہجو کرو۔نیز فرمایا کہ جب تک تم رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دفاع کرتے ہو اللہ تعالیٰ جبرئیلؑ کے ذریعے تیری تائید کرتا ہے۔نیز فرمایا کہ رزمیہ اشعار کافروں پر تیروں کی بارش سے بھی زیادہ سخت لگتے ہیں۔آپ ﷺ کے بہت سے صحابہؓ نے شعر کہے ہیں۔خلفائے راشدین سب کے سب شعر کہتے تھے(۱)۔حضرت علیؓ تو ان سب میں بڑھے ہوئے ہیں۔حضرت تھانویؒ نے صحابہؓ کے اشعار ایک مستقل کتاب کی شکل میں جمع کئے ہیں۔جس کا نام کلام الملوک رکھا ہے۔اس کا نسخہ دیوان حماسہ اور دیوان متنبی کے قریب ہے۔اور اس میں حضرت عائشہؓ کے بھی اشعار ہیں۔حضرت امام شافعیؒ کا اپنا مستقل دیوان ہے۔یہ شعر بھی انہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ ؎

ولو الشعر بالعلماء یزری لکنت الیوم اشعر من لبیدؓ

ہمارے اکابر میں حضرت نانوتویؒ،حضرت شیخ الہندؒ،حضرت شاہ کشمیریؒ اور حضرت گنگوہیؒ سب کے اشعار اردو،فارسی اور عربی میں پائے جاتے ہیں۔

(۱) حدّثنا علیّ بن حجر ثنا شریک عن المقدام بن شریح عن أبیہ عن عائشة قالت قیل لھا ھل کان النبیّ ﷺ یتمثّل بشیئی من الشعر قالت کان یتمثل بشعر ابن رواحة و یتمثّل ویقول و یاتیک بالاخبار من لم تزوّد(۲).

---

(۱)الاتحافات میں حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ مذکور ہے کہ تعلموا الشعر فانّ فیہ محاسن تبتغی ومساوی تتقی(الاتحافات ص ۲۹۰)(مختار)

(۲)الادب المفرد للبخاری ۲۲۴ رقم الحدیث۸۶۷، جامع ترمذی ۲/ ۵۷۳ کتاب الاستئذان والادب باب ماجاء فی انشاء الشعر، شرح السنة للبغوی ۱۲/ ۳۷۳ کتاب الاستیذان باب الشعر الرجز رقم الحدیث ۳۴۰۲(مختار)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ کبھی کسی دوسرے شخص کے شعر کو بطور استشہاد پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ (ہاں کبھی کبھی) ابن رواحہؓ کے شعر کو مثال میں پیش فرماتے تھے اور کبھی (شاعر کے) اس قول سے تمثل فرماتے۔ ”ویأتیک بالأخبار من لم تزوّد“ (یعنی کبھی وہ شخص تیرے پاس خبریں لائے گا۔ جسے تم نے کوئی راستے کا خرچ نہیں دیا ہوگا۔

<u>عبداللہ ابن رواحہؓ:</u> عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاریؓ خزرجی صحابی ہیں۔ بیعۃ عقبہ میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد بدر اور غزوۂ موتہ تک کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضاء میں بھی شریک رہے۔ جاہلیت میں بھی آپ کو سردار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اسلام میں آپ کا شمار ان عظیم شعراء میں ہوتا ہے جو کہ کافر شعراء کا مقابلہ اپنے اشعار سے کرتے تھے۔ ”والشعراء یتبعھم الغاوون“ سے آپ کی اور آپ کے دو ساتھیوں حضرت حسانؓ اور کعب بن مالکؓ کی استثناء کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ”إلا الذین آمنوا و عملوا الصالحت و ذکر واللہ کثیراً الآیۃ“ جرأت اور دلیری میں بھی آپ بے مثال تھے۔ جنگ میں سب سے پہلے جاتے تھے اور سب سے آخر میں لوٹتے تھے۔ ۸ھ میں شامیوں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ غزوۂ موتہ میں جعفر بن ابی طالبؓ اور زید بن حارثؓ کی شہادت کے بعد فوج کی قیادت سنبھالی اور درج ذیل اشعار پڑھے

یانفس ان لم تقتلی تموتی هذا حمام الموت قد صلیتِ
وماتمنیت فقدا عطیتِ ان تفعلی فعلهما هدیتِ

اے مری جان اگر تو قتل نہ کی جائے تو مرنا تو ہوگا ہی یہ موت کی حمام ہے جس میں تو داخل ہو چکی ہے
مری جان تیری ہر تمنا پوری کی جا چکی ہے
اب اگر تو نے ان دونوں (جعفرؓ اور زیدؓ) جیسا کام کیا تب ہی تو ہدایت یافتہ ہوگی

پھر تلوار لے کر خوب لڑے۔ درمیان میں تھوڑی دیر ستانے کے لیے گھوڑے سے اترے تو چچا زاد بھائی نے گوشت پیش کیا تا کہ کھا کر کچھ جان میں جان آئے۔ گوشت کو منہ سے لگایا۔ ادھر ایک جگہ لشکر

میں مڈبھیڑ نظر آئی پھر کہا ''تعجب ہے تو ابھی دنیا میں رہتا ہے'' یہ کہتے ہوئے گوشت پھینک کر دشمن میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔

آپ فی البدیہہ شعر کہا کرتے تھے اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جب نبی کریم ﷺ کی فرمائش پر آپ نے بڑا قابل فخر کلام پیش کردیا۔ایک مرتبہ اپنی ایک باندی کے پاس بیوی سے چھپ کر آئے اور اس کے ساتھ مجامعت کی۔بیوی نے ہمبستری کرتے دیکھ لیا تو فراغت کے بعد اس کو ملامت کرنے لگیں۔آپؓ نے ہمبستری سے انکار کردیا تاکہ بیوی ناراض نہ ہو۔بیوی نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو قرآن کریم کی تلاوت کرو(کیونکہ جُنُبْ شخص کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے) آپؓ نے فوراً یہ اشعار پڑھے۔

شهدت بان وعدالله حق	وإنّ النار مثوى الكافرينا
وإنّ العرش فوق الماء حق	وفوق العرش رب العالمينا
و تحملهٗ ملائكة غلاظٌ	ملائكة الاله مسوّمينا

چونکہ بیوی کو قرآنی آیات یاد نہیں تھیں اور مذکورہ اشعار قرآنی آیات ہی میں تھوڑی تغیر کرکے بنائے گئے تھے۔لہٰذا بیوی کو تسلی ہوئی اور بولیں ''صدق الله و كذبت عينى '' اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں اور میری آنکھ ہی دھوکہ کھا چکی ہے۔آپؓ کے مناقب بے شمار ہیں۔

تمثّل بشئ کسی کے کلام کو اپنے مقصد کے ثبوت اور شہادت کے طور پر پیش کرنے کو تمثل کہتے ہیں یعنی آپ ﷺ کسی مقصد کی وضاحت اور ثبوت کے لیے شعر کو بطور مثال پیش کرتے تھے۔

ويتمثّل ويقول یعنی عبداللہ بن رواحہؓ کے شعر کے علاوہ بھی آپ ﷺ بطور تمثل شعر نقل کرتے تھے۔مثلاً اس شعر سے بھی تمثل کرتے تھے ''ويأتيك الخ''۔بعض نسخوں میں ''ويتمثّل بقوله'' لکھا ہے اس میں بقولہ کا ضمیر عبداللہ بن رواحہؓ کو راجع نہیں ہے بلکہ مطلقاً شاعر کو راجع ہے۔یعنی وہ دوسرے شاعر کے اس قول کو بھی استشہاداً پیش فرماتے تھے۔اور یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے کہ مذکورہ شعر عبداللہ بن رواحہؓ کا نہیں ہے بلکہ طرفہ بن عبد بکری جاہلی شاعر کا ہے جو اس کے معلقہ ہی سے ماخوذ ہے۔اور حضرت عائشہؓ کو عرب کے جاہلی شعراء کے کلام کا بہترین علم حاصل تھا(۱)۔اس لیے یہ بعید از امکان ہے کہ خانہ کعبہ میں لٹکے

(۱)عن عائشةؓ قالت رويتُ للبيد اثنى عشر الف بيت(الاستيعاب على هامش الاصابة ج۳ ص ۳۲۸)

ہوئے مشہور معلقہ کے اشعار کی نسبت عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف کریں۔

ستُبدی لک الایام ما کنت جاھلاً ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد

یہ شعر طرفۃ بن العبد جاہلی شاعر کا ہے جس کا سبعہ معلقہ میں دوسرا قصیدہ ہے اور وفور معانی کی وجہ سے آپ ﷺ اس کو پڑھا کرتے تھے۔

<u>زمانہ بڑا معلم ہے:</u> اس شعر کے پہلے مصرع کا مقصد یہ ہے کہ زمانہ بڑا معلم ہے وہ اپنے تجربات سے تجھے وہ چیزیں بتادے گا جو تجھے معلوم نہ تھیں۔ انسان کے علم و تجربہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً آج تو وہ توحید کو نہیں مانتا آخرت اور رسول کی رسالت کا منکر ہے لیکن قبر میں اور آخرت میں بلکہ دنیا ہی میں ایک دن اس پر یہ ظاہر ہو جائے گا اور ان حقائق پر یقین ہو جائے گا۔ اس شعر میں اس حقیقت کو اشارہ کیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ بھی اسی مقصد کے لیے اس شعر کو پیش کرتے تھے۔

<u>بغیر زادو اجرۃ خبر رسانی:</u>

دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ تجھے خبریں دیں گے جن کو تم نے زادراہ نہیں دیا ہوگا۔ یہ فتنہ وفساد کا دور ہوگا۔ بغیر مطلب اور درخواست کے تیرے ہاں خبریں پہنچائی جائیں گی۔ جس طرح آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ذرائع ابلاغ مختلف قسم کی خبریں بغیر درخواست کے پہنچا کر پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبار اور ٹیلی فون وغیرہ سب تجھے پریشان کر رہے ہیں۔ آدھے فساد، شر اور ہنگامے اسی روز ختم ہو جائیں گے جب اعلان ہوگا کہ کل سے کوئی اخبار نہیں چھپے گا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے لکھا ہے کہ ساری دنیا میں اگر اخبار بند ہو جائیں تو کافی امن ہو جائے گا۔ اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں پہلے تو مہینوں بعد کسی مصیبت کا علم ہوتا اور اس وقت تک یقین ہو چکا ہوتا کہ سب کچھ ٹل چکا ہے لیکن اب تو اعصابی نظام اس وجہ سے مختل ہو چکے ہیں کہ گھر میں پرائے غموں کے انبار پڑے ہوتے ہیں۔ بٹن دباتے ہی میڈیا آپ کو براہ راست خبریں دکھاتا ہے اور میڈیا میں فساد کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ دوسرے مصرع سے تمثیل کا مقصد یہ ہو کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے بارے میں وضاحت کر رہے ہوں کہ دیکھو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے مخبر صادق کو نبی بنا کر بھیجا ہے جسے تم کوئی بھی زادِ راہ اجرت اور فیس وغیرہ نہیں دیتے۔ اور وہ عالم آخرت تک کی خبریں لاتے ہیں۔ دنیا کی

فلاح ونجات اور عروج وزوال کی بنیادیں بھی وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں پھر وہ تمہارا نوکر بھی نہیں ہے ان کی اس خیرخواہی کا اس کو کوئی بدلہ تمہاری طرف سے نہیں ملتا۔ اور وہ یہی صدا لگا تا پھرتا ہے ”ان اجری الا علی اللہ “ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس شعر کو پڑھتے ہوئے ترتیب بدل دی اور یوں پڑھا کہ ”ویأتیک من لم تزوّد بالاخبار“

ابوبکر صدیقؓ نے تصحیح کر کے صحیح ترتیب بنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ما انا بشاعر “ یعنی میں شاعر نہیں ہوں۔

(۲) حدّثنا محمّد بن بشّار ثنا عبدالرحمٰن بن مهدی قال ثنا سفیان عن عبدالملک بن عمیر ثنا أبو سلمة عن أبی هریرة قال قال رسول اللّٰهﷺ إنّ أصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید الاکلُّ شئی ما خلا اللّٰه باطل و کادامیّة بن أبی الصلت ان یسلم(۱).

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہو لبیدؓ کی یہ بات ہے ”الاکل شئی ما خلا اللّٰه باطل (۲) “ (یعنی خبردار کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے) اور قریب تھا کہ امیہ بن الصلت اسلام لے آتے۔

لبیدؓ اور اس کی حق شناسی: أصدق کلمة الخ کلمہ سے کلام مراد ہے یعنی شعراء کے کلام میں سب سے سچا کلام لبیدؓ کا مذکورہ قول ہے کیونکہ اگر چہ شعراء اور بالخصوص جاہلی شعراء کے کلام میں جھوٹ اور مبالغہ ہوتا ہے لیکن اس سے بڑی سچائی بھی ان کے کلام میں نہیں جو کہ شاعر نے بیان کی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی

(۱) صحیح بخاری ۱/۵۴۱ کتاب المناقب باب ایام الجاهلیة، صحیح مسلم ۲/۲۴۷ کتاب الشعر، جامع ترمذی ۲/۵۷۳ کتاب الاستذان و الادب باب ماجاء فی انشاء الشعر، سنن ابن ماجة ص ۲۶۶ کتاب الادب باب الشعر.(مختار)

(۲) مکمل شعر کچھ اس طرح ہے

ألا کل شئ ماخلا اللّٰه باطل — و کل نعیم لامحالة زائل
نعیمک فی الدنیا غرور وحسرة — وأنت قریباً عن مقیلک راحلُ (مختار)

ذات کو بقاء حاصل ہے(۱)۔دنیا کی تمام نعمتیں اور تمام باقی ممکنات زوال پذیر ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی شان پر غلبہ توحید کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس شعر میں توحید کا مغز اور حاصل ہے آپ ﷺ اس کی تحسین فرمار ہے ہیں۔

لبید بن ربیعہؓ بڑے شاعر تھے۔سبعہ معلقہ میں چوتھا معلقہ انہی کا ہے۔نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔جاہلیت کے دور میں مایہ ناز شاعری کرتے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد قرآن مجید کے اعجاز اور فصاحت وبلاغت کے سامنے گردن نہاد ہوئے۔قلم توڑ دیا اور شاعری چھوڑ دی۔کیونکہ وہی لوگ قرآن کے اعجاز کو خوب سمجھتے تھے۔اسی وجہ سے لبیدؓ نے اسلام لانے کے بعد شعر نہیں کہے۔وہ فرماتے تھے کہ اعجاز تفہیم معانی اور فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے میرے لئے قرآن مجید کافی ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک بار کوفہ کے عامل کو آپؓ کے پاس بھیجا تا کہ اسلام کے زمانہ میں ان کے کسی شعر کا پوچھے تو فرمایا کہ أبدلني الله بالشعر سورة البقرة وال عمران."اللہ نے مجھے اشعار کے بدلے سورۃ بقرۃ اور آل عمران یعنی قرآن دیدیا۔اب شعر وشاعری سے کیا سروکار"

ایک سو چالیس سال تک زندہ رہے(۲)۔

<u>غیر مسلم شاعر کی مؤمنانہ کلام کی تحسین:</u> وقال الخ یعنی شاعروں پر تبصرہ اوران کے کلام کی تحسین کے سلسلے میں آپ ﷺ نے امیہ بن صلت کی بھی تعریف کی۔نبی کریم ﷺ کا ادبی ذوق بہت بلند تھا۔عرب کے شعر وشاعری سے بے خبر نہ تھے۔امیہ بن صلت کے اشعار میں توحید اور بعث بعد الموت کے بارے میں حکیمانہ کلام ملتا تھا۔علاوہ ازیں وہ ایک عبادت گزار کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔اس لئے فرمایا کہ قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل نہ تھی۔نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا لیکن اسلام نہیں لایا۔اور طائف کے محاصرے کے دوران کفر کی حالت میں مرا۔ایمان کے قریب ہوتے ہوئے

(۱) یہی کچھ قرآن پاک نے بیان کیا ہے کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربّک ذوالجلال والاکرام(الرحمن)اوردوسرے مقام پر ہے کل شئ هالک الاوجهه (الآیة)(مختار)

(۲) بعض روایات میں ۱۵۴اور بعض میں ۱۵۷ سال کا ذکر ہے۔انتہائی بہادر شہسوار اور سخی شخص تھے۔ہر سال بڑی تعداد میں اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلاتے تھے۔(اصلاح الدین)

بھی بدبختی آڑے آئی(۱)۔

(۳) حدثنا محمّد بن المثنیٰ قال أنبانا محمّد بن جعفر ثنا شعبة عن الأسود بن قيس عن جندب بن سفيان البجليّ قال أصاب حجرٌ إصبع رسول اللهﷺ فدميت فقال.

هل أنت إلاّ إصبع دميت و فی سبيل الله مالقيت(۲).

(۴) حدثنا ابن ابی عمرؒ ثنا سفيان ابن عيينة عن الأسود بن قيس عن جندب بن عبدالله البجليّ.

ترجمہ: حضرت جندب بن (عبداللہ بن) سفیان بجلیؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ کی انگلی کو ایک پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ (زخمی ہوکر) خون آلود ہوگئی تو آپﷺ نے کہا کہ تو ایک خون آلود ہونے والی انگلی ہی تو ہے اور جو مصیبت تجھے پہنچی ہے وہ بھی اللہ کے راستے میں پہنچی ہے۔

جندب بن سفیان یہ دراصل جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلیؓ ہیں یہاں دادا کی طرف اور اگلی سند میں والد کی طرح منسوب ہیں۔ بجلیہ قبیلہ سے تعلق ہے۔ ابتداء میں کوفہ میں رہتے تھے۔ جہاں آپؓ کو جندب بن سفیان کہا جاتا تھا پھر بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ بصری لوگ آپؓ کو جندب بن عبداللہ کہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کو جندب الخیر اور جندب الفاروق بھی کہا جاتا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ کے زمانے میں میں نوجوانی کی ابتدائی ایام میں تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ اور حذیفہؓ سے بھی آپؓ روایت کرتے ہیں۔

---

(۱) بعض روایات میں ہے آمن شعره و کفر قلبه (الاتحافات ۲۹۲) کہ اس کے اشعار تو اسلام لائے مگر یہ خود مسلمان نہیں ہوا۔ اس کی وجہ علامہ عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے کہ کان يطمع ان يكون نبی الامة (الاتحافات ۲۹۲) کہ نبوت تو میرا حق تھا محمدﷺ کیسے نبی ہے۔ (مختار)

(۲) صحيح بخاری ۱/۳۹۳ كتاب الجهاد باب من ينكب فی سبيل الله، صحيح مسلم ۲/۱۱۶ كتاب الجهاد والسير باب مالقی النبیّﷺ من اذی المشركين والمنافقين، جامع ترمذی ۲/۶۴۵ كتاب تفسير القرآن باب ومن سورة الضحیٰ، (مختار)

اصاب حجر الخ یہ جنگ احد کا واقعہ ہے۔اور بعض کی رائے میں ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچائی گئیں اور مختلف طریقوں سے لوگ آپ ﷺ کو تنگ کرتے تھے۔بہرحال اس جہاد میں یا کسی دوسرے موقع پر آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کی انگلی مبارک کو پتھر لگا وہ خون آلودہ ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے یہ کہا کہ هل انت الا اصبع دميتِ وفي وسبيل الله مالقيتِ

گویا خود کو تسلی دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء تو تبلیغ حق میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ انہیں آروں سے چیرا گیا۔مختلف عذاب دیئے گئے اور یہ تو ایک انگلی ہے تو اگر کٹ جائے پھر بھی حق ادا نہ ہوا۔ابھی تو صرف خون بہا ہے

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پھر جو تکلیف ملی ہے وہ بھی تو اللہ کے راستے میں ہے جس کا ثواب ملے گا خون بیکار نہیں بہا۔

<u>آپ ﷺ کے کلام کو موزون یا شعر کہنے کے توجیہات:</u> لیکن اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو ایک شعر ہے جو نبی کریم ﷺ نے کہا ہے حالانکہ آپ ﷺ کو شاعر کہنا ٹھیک نہیں ہے۔اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ اگر بلا قصد وارادہ کوئی موزوں و مقفی کلام کسی کی زبان پر آئے تو اسے شعر نہیں کہتے۔

دوم یہ کہ اگر شعر بھی ہو تو ایک آدھ شعر کہنے سے کوئی شاعر نہیں کہلایا جا سکتا۔شعر کا تو مستقل ملکہ ہوتا ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد شعر کہنے والے کو شاعر کہتے ہیں۔

سوم یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ شعر نہیں بلکہ ایک رجز ہے جو جنگی آواز یا ترانے کو کہتے ہیں۔جس طرح سیاسی تحریکوں میں نعرہ بازی ہوتی ہے۔اور مختلف آوازوں اور ترانوں کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

چہارم یہ کہ یہاں دمیت اور لقیت کی تاء کو ساکن پڑھا گیا ہے جس سے وزن ٹوٹ جاتا ہے اور یہ کلام شعر نہیں رہتا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ بعض مؤرخین کی رائے کے مطابق یہ خود نبی کریم ﷺ کا کلام نہ تھا بلکہ بطور تمثل آپ ﷺ نے کسی دوسرے شاعر کا کلام نقل کیا ہے۔چنانچہ واقدیؒ کے قول کے مطابق یہ ولید بن

ولید کا شعر ہے اور ابن ابی الدینار کے قول کے مطابق یہ ابن رواحہؓ کا کلام ہے(۱)۔ جس کے بارے میں پہلے آیا ہے کہ آپ ﷺ ان کے کلام سے تمثل کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ غزوۂ موتہ میں انہوں نے اپنی شہادت سے قبل جو اشعار کہے تھے ان میں سے یہ شعر بھی ہے۔ ان اشعار کو ہم اس باب کی ابتداء میں ابن رواحہؓ کے احوال بیان کرتے ہوئے ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ انگلی کٹنے کا واقعہ غزوہ موتہ کے بعد ہو۔

حدثنا ابن أبی عمر الخ امام ترمذیؒ اس حدیث کے لیے دوسری سند لا رہے ہیں۔ اس سند کے مطابق حضرت جندب کی نسبت اپنے والد کی طرف ہو چکی ہے جبکہ گزشتہ سند میں دادا کی طرف نسبت کی گئی تھی۔

(۵)　حدّثنا محمّد بن بشارثنا یحییٰ بن سعید ثنا سفیان الثوری ثنا أبو إسحاق عن البراء بن عازب قال قال له رجل أفررتم عن رسول اللهﷺ یاأباعمارة فقال لا واللّٰه ما ولّی رسول اللهﷺ ولکن سرعان النّاس تلقّهم هوازن بالنّبل ورسول اللّٰهﷺ علی بغله وأبو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اٰخذ بلجامها ورسول اللهﷺ یقول.

أنا النّبیّ لا کذب　　أنا ابن عبدالمطلب(۲).

---

(۱) علامہ عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے اخرج ابن أبی الدنیا فی کتاب محاسبة النفس أنّ جعفراً حین قتل بمؤتة دعاالنّاس بابن رواحة فأقبل وقاتل فأصیب فی إصبعه فارتجزو جعل یقول.

هل أنت إلاّ إصبع دمیت　　وفی سبیل اللّٰه مالقیت

یانفس إلاّ تقتلی تموتی　　هذاحیاض الموت قدصلیت

وماتمنیت فقدلقیت　　ان تفعلی فعلهماهدیت

ثم ثبت حتّیٰ استشهدوتمثّل النبیّﷺ بقوله(الاتحافات ۲۹۳)(مختار)

(۲) صحیح بخاری ۱/۴۰۲ کتاب الجهاد باب بغلة النبیّ البیضاء، صحیح مسلم ۲/۱۰۷ کتاب الجهاد والسیر باب فی غزوة حنین، جامع ترمذی ۱/۳۰۲ کتاب الجهاد باب ماجاء فی الشباب عندالقتال(مختار)

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ اے ابوعمارۃ! کیا تم لوگ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر (جنگ حنین میں) بھاگ چکے تھے۔انہوں نے جواب دیا کہ نہیں خدا کی قسم نبی کریم ﷺ نے جنگ میں پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ بلکہ لشکر کے کچھ جلد باز لوگ بھاگ نکلے تھے۔جن کا استقبال بنو ہوازن نے تیروں سے کیا تھا۔اس وقت نبی کریم ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے۔ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب نے خچر کے لگام کو پکڑا تھا اور نبی کریم ﷺ یہ رجز پڑھتے تھے''أنـا الـنبیّ لا کـذب أنا ابن عبدالمطلب ''یعنی میں نبی ہوں۔اس میں کوئی شبہ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کا کلام رزمیہ: لاو اللـه الخ یعنی مسلمانوں کی وہ پسپائی جو حنین میں ہوئی تھی ہماری یعنی قدیم صحابہ کی پسپائی نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ دن پہلے کے یہ نومسلم صحابہ کے سبب ہوئی جو کہ غیر تربیت یافتہ تھے۔کمانڈروں اور امیروں کے امر کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔جذباتی لیکن بے ترتیب اور غیر منظم تھے۔حوصلہ اور پختگی دماغ میں نہ تھی۔قربانی پیش کرنے کے جذبہ میں ڈسپلن کا لحاظ نہ رکھا جائے اور بدنظمی پیدا ہو جائے وہاں نتیجہ شکست کے طور پر نکل ہی آتا ہے۔جیسے کہ احد میں بھی شکست کی وجہ یہی تھی۔کہ بعض صحابہ کرامؓ نے امیر کی اطاعت نہیں کی تھی اور نہایت اہم جنگی مقام سے غفلت برت کر اسے چھوڑ دیا۔ یہاں بھی ادھر نومسلم جذباتی لوگ تھے دوسری طرف مقابلے میں بنو ہوازن تھے جن کی تیراندازی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے تیر پھینکے تو اس طرف بعض مسلمانوں میں افراتفری پھیلی لیکن نبی کریم ﷺ اپنے خچر پر اسی طرح سوار تھے بھاگے نہیں۔لگام حضرت سفیانؓ کے ہاتھ میں تھی اور بڑے حوصلہ اور شجاعت کے ساتھ یہ رجز کہتے جاتے تھے کہ

أنا النبیّ لا کذب أنا ابن عبدالمطلب

غزوۂ حنین کی مجموعی حالت: فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنو ہوازن نے اپنے حلیفوں کو جمع کیا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔مکہ سے طائف کی طرف دس میل کے فاصلے پر حنین کی وادی ہے۔وہاں پر بیس ہزار سے

زائد لشکر جمع کر کے مسلمانوں کو للکارا۔ وہ اپنی عورتیں، بچے اور مال میدان میں لائے تھے۔ تاکہ فرار کی بجائے بے جگری سے لڑیں۔ ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار اسلامی فوج لے کر نبی کریم ﷺ بھی ان کی سرکوبی کے لیے نکلے اس فوج میں اکثریت نومسلم افراد کی تھی بلکہ بعض لوگ کفر کی حالت میں محض غنیمت کے حصول کے لیے یا تماشائی بن کر شامل ہوئے۔ چند دن قبل رمضان میں مکہ معظّمہ فتح ہوا تھا۔ ابھی شاید نومسلموں پر بیس دن بھی نہیں گزرے تھے۔ ایک تنگ گھاٹی سے گزر کر اسلامی فوج کا مقدمۃ الجیش جس میں بنوسلیم اور مکہ کے نومسلم جوانوں کی اکثریت تھی جب حنین کے میدان میں داخل ہوا تو بنو ہوازن نے بظاہر پسپائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو آگے بڑھنے دیا۔ جب یہ لوگ پہاڑی چوٹیوں کے حصار میں آ گئے تو ہوازن کے ماہر تیراندازوں نے پہاڑی پناہ گاہوں سے نکل کر اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی جس سے مقدمۃ الجیش کے مجاہدین بوکھلا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اس وقت تک جیش کا مرکزی حصہ ''قلب'' بھی میدان میں آ گیا تھا۔ جس میں خود نبی کریم ﷺ بھی موجود تھے مقدمۃ الجیش کے انتشار کی وجہ سے قلب کا لشکر بھی انتشار کا شکار ہوا لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے کسی کو کچھ سجھائی نہ دیا کہ کیا کیا جائے کیونکہ دشمن دور ہی سے صرف تیروں کی بارش کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تقریباً ایک سو صحابہؓ رہ گئے۔ مگر آپ ﷺ نے پیش قدمی جاری رکھی ادھر بنو ہوازن نے بھی پلٹ کر پیش قدمی شروع کر دی جن کو مورچہ زن تیراندازوں کی مدد حاصل تھی۔ افراتفری کی وجہ سے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی صرف نبی کریم ﷺ ہی تھے جو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیان بن الحارثؓ کی معیت میں آگے بڑھتے رہے۔ اور حدیث میں مذکور رزمیہ اشعار بھی لب پر وارد ہو رہے تھے۔ دیگر ساتھیوں کی تعداد کم ہوتی گئی حتی کہ ایک موقع ایسا آیا کہ نبی کریم ﷺ اپنے خچر جس کا نام بیضاء یا دلدل تھا سے اتر گئے اور تن تنہا آگے بڑھے کنکریوں اور ریت سے مٹھی بھر کر ''شاهت الوجوه ارجعوا'' کہتے ہوئے کفار کی فوج پر پھینک دی۔ انتشار کی اس کیفیت میں کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ نبی کریم ﷺ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں صرف چند فدائین ہی آپ ﷺ کے پاس رہ گئے تھے اس لئے تجربہ کار پرانے مسلمان بھی بدحواسی کے عالم میں تھے۔ نومسلم اور جذباتی مسلمان میدان سے ہٹ چکے تھے۔ اس دوران حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ مہاجرین،

انصار اور اصحابِ بیعت صحابہ کو آواز دیکر میدان میں بلائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تب ہی مسلمانوں کو نبی کریمﷺ کے مقام کا پتہ چلا۔ اور انصار و مہاجرین کی جماعت نے آگے بڑھ کر بنو ہوازن کو آڑے ہاتھوں لیا۔ بنو ہوازن اس ضرب کاری کا مقابلہ نہ کر سکے اور بہت سامالِ غنیمت، عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مخلص سرفروش صحابہ کرامؓ نبی کریمﷺ کو چھوڑ کر بھاگے نہیں تھے بدحواسی کی وجہ سے بعض منتشر ضرور ہوئے تھے اور نظم میں نقصان کے سبب نبی کریمﷺ ان سے بچھڑ گئے تھے جبکہ خود نبی کریمﷺ کی مسلسل، دلیرانہ اور تیز پیش قدمی جاری رہی(۱)۔

لہٰذا حضرت براءؓ کے جواب کا خلاصہ یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس روز نبی کریمﷺ کو چھوڑ کر پیٹھ نہیں دکھائی تھی البتہ نومسلم جذباتی مسلمان انتشار کا شکار ضرور ہوئے تھے۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبدالمطلب

یہ کلام بھی وزن و قافیہ سے مقید تھا۔ لیکن اس سے آپﷺ کا شاعر ہونا لازم نہیں ہوتا جس طرح کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

تفاخر بالنسب کی حقیقت: لیکن یہ وہم ہوتا ہے کہ نبی کریمﷺ نے یہاں نسب اور نبوت سے تفاخر کیا ہے۔ جس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام میں ایک حقیقت کا بیان محض توثیق کے لیے کیا گیا تھا۔ گویا نبی کریمﷺ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں سچا پیغمبر ہوں یہ عارضی شکست حق کو مٹا نہیں سکتی۔ اس کی پرواہ نہیں۔ نیز ''میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں'' یہ حقیقت بھی اسی لئے بیان ہوئی تھی کہ اس سے یہ تنبیہ ہو کہ میں سچا پیغمبر ہوں کیونکہ بعض کتب سماویہ میں آپﷺ کے دادا کا نام موجود تھا۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بشارات

(۱) ملا علی قاریؒ، علامہ بیجوریؒ اور مناویؒ نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ آپﷺ کبھی شکست کھا کر نہیں بھاگے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آپﷺ کی تنقیص کرتے ہوئے کہے کہ نبی کریمﷺ جنگ سے بھاگے ہیں تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور تنقیص کے طور پر نہ کہے تو امام شافعیؒ کے ہاں اس کو تعزیر دی جائے گی۔ جبکہ امام مالکؒ کے ہاں اسے قتل کر دیا جائے گا۔ (اصلاح الدین)

میں اس کا ذکر آیا تھا گویا آپﷺ نے بھی ان بشارات کی طرف اشارہ کیا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔اور بشارۃ کا مصداق سچائی ہو۔

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والد کی بجائے دادا کی طرف نسبت کرنے کی وجہ یہ ہو کہ آپﷺ کے والد عرب میں مشہور نہیں تھے بلکہ جوانی میں وفات پائے تھے جبکہ دادا قریش کے سردار اور مکہ کے رئیس تھے۔اسی وجہ سے لوگ بھی آپﷺ کو ابن عبدالمطلب کہتے تھے۔اور ممکن ہے کہ صرف سجع کی رعایت کے لیے ابن عبداللہ کی بجائے آپﷺ نے ابن عبدالمطلب کہا ہو۔

اب اس شعر کے کہنے پر آپﷺ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس لئے کہ یہ شعر نہیں رجز ہے جو جذباتی نثر میں سے شمار ہوتا ہے۔بعض کہتے ہیں اس لئے کہ یہ شعر بھی دراصل ایک اور شخص کا ہے جنہوں نے آپﷺ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

"انت النبیّ لا کذب   انت ابن عبدالمطلب"

آپﷺ نے صرف انت کی ضمیر انا سے بدل دی تھی لیکن سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ شعر کی تعریف میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ قصدیت شرط ہے اگر بالقصد وزن وقافیہ کے تحت کلام کو لایا جائے تو شعر ہوگا ورنہ نہیں۔جبکہ یہاں یہ شرط مفقود ہے کیونکہ نبی کریمﷺ صرف اپنے جذبات واحساسات کا مظاہرہ کرتے ہیں مقفیّ کلام اتفاقاً زبان پر وارد ہوا ہے اس کا قصد نہیں کیا گیا۔

(۲) حدثنا إسحاق بن منصور عبدالرزاق ثنا جعفر بن سلیمان أنبانا ثابت عن أنس إنّ النبیّﷺ دخل مکة فی عمرة القضاء وابن رواحة یمشی بین یدیه و هو یقول.

خلّوا بنی الکفار عن سبیله.   الیوم نضربکم علی تنزیله

ضربا یزیل الهام عن مقیله   و یذهل الخلیل عن خلیله

فقال له عمر یا ابن رواحة بین یدی رسول اللهﷺ و فی حرم الله تعالیٰ تقول شعراً فقال النبیّﷺ خلّ عنه یا عمر فلهی أسرع فیهم

من نضح النّبل(۱).

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمرۃ القضاء (کے سفر) میں مکہ مکرمہ داخل ہوئے اس حال میں عبداللہ بن رواحہؓ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کے آگے آگے جا رہے تھے "خلّوا بنی الکفار الخ" یعنی "اے کفار کے بیٹو! نبی کریم ﷺ کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم تمہیں نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن (کے حکم) سے ایسی ضرب لگائیں گے۔ جو کھوپڑیوں کو اپنی قرار گاہوں سے جدا کر دے گی۔ اور جو دوست کو اپنے دوست سے غافل کر دے گی۔" اس پر حضرت عمرؓ نے اسے کہا کہ اے ابن رواحہؓ کیا تم نبی کریم ﷺ کے سامنے اور (پھر) اللہ تعالیٰ کے حرم میں شعر پڑھتے ہو۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ! ابن رواحہ کو منع نہ کرو۔ کیونکہ اس کے اشعار کفار پر اثر انداز ہونے میں تیر برسانے سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

عمرۃ القضاء اور ابن رواحہؓ کے اشعار: فی عمرة القضاء الخ ذی القعدہ ۷ھ میں نبی کریم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ کا سفر کیا کیونکہ ۶ھ میں قریش نے آپ ﷺ کو عمرہ ادا کرنے سے روکا تھا تو ۷ھ کا عمرہ دراصل اسی چھوٹے ہوئے عمرہ کی قضاء ہی ہے۔ اسی لئے اسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے۔ چونکہ شوافع کے نزدیک نفل نماز اور روزہ توڑنے کی قضاء لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح محصر پر حج یا عمرہ کی قضاء لازم نہیں ہوتی۔ اگر احصار کی وجہ سے وہ عمرہ یا حج کا احرام کھول دے۔ اس لئے وہ "عمرة القضاء" کی وجہ تسمیہ میں کہتے ہیں کہ قضاء، "مقاضاة" یعنی مصالحت کے معنی میں ہے اور چونکہ ۷ھ کا یہ عمرہ مصالحت کے بعد ادا کیا گیا تھا اس لئے اسے عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔ لیکن یہ تاویل اس لئے بعید لگتی ہے کہ اس میں قضاء کو ایک غیر معروف معنی میں لیا گیا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک قضاء سے معروف معنی یعنی ادا کی ضد مراد ہے۔ اور یہ نام ہی اس پر بخوبی دلالت کرتا ہے کہ بصورت احصار عمرہ اور حج کی قضاء واجب ہوتی ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ۲/۵۷۳ کتاب الادب باب ماجاء فی إنشاء الشعر، سنن النسائی ۲/۶۹ کتاب مناسک الحج باب انشاء الشعر فی الحرم والمشی بین یدی الامام، السنن الکبریٰ للبیهقی ۱۰/۲۲۸ کتاب الشهادات باب لاباس باستماع الحداء ونشید الاعراب کثرا وقل (مختار)

خلّوا بنی الکفار الخ چونکہ اس عمرہ کے دوران کفار مکہ پہلے سے مکہ چھوڑ کر نزدیک کی پہاڑیوں پر جا بیٹھے تھے۔اس لئے یہاں پر خلّوا بنی الکفار سے مراد یہ ہوگی کہ اس ترکِ مکہ پر ثابت وقائم رہو۔ ہمارے لیے رکاوٹ بننے کی کوشش نہ کرنا۔

الیوم نضربکم یہ محض ایک دھمکی اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے جذبات کا مظاہرہ تھا ورنہ عمرۃ القضاء کے سفر میں مسلمانوں کے ہاتھوں کسی کو ذرہ برابر تکلیف نہیں پہنچی۔وعدہ کے مطابق پرامن طریقے سے آئے عمرہ ادا کیا اور واپس تشریف لے گئے۔

علی تنزیلہ ضمیر نبی کریم ﷺ کو راجع ہے۔یعنی اگر تم لوگوں نے نقض عہد کر کے نبی کریم ﷺ کو مکہ نازل ہونے کے باوجود عمرہ سے روکنے کی کوشش کی تو اس تنزیل پر ہم تمہاری خبر لیں گے۔اس بار گزشتہ برس کی طرح ناکام واپس نہیں ہونگے۔یوں ''علی'' کا لفظ تعلیلیہ ہوگا۔یعنی بناء علی تنزیلکم ایاہ ۔۔یا پھر تنزیل سے قرآن مراد ہوگا۔اور مضاف مقدر ہوگا یعنی ''بناءً علی حکم تنزیلہ ای قرآنہ''۔مطلب یہ ہوگا کہ اس پر نازل شدہ قرآن کے حکم کی بناء پر تمہاری پٹائی کریں گے۔

یزیل الھام ہام ہامۃ کی جمع ہے۔جو کھوپڑی کو کہتے ہیں۔

عن مقیلہ مقیل قال یقیل قیلولۃ سے مصدر میمی ہے۔جس کے معنی ہے آرام اور نیند۔تو معنی یہ ہوگا کہ ایسی ضرب سے ماریں گے کہ کھوپڑیاں آرام بھول جائیں گی یا پھر یہ ظرف کا صیغہ ہے جائے قرار اور آرام گاہ کے معنی میں ہے۔یعنی سروں کو ان کی آرام گاہ یعنی گردنوں سے جدا کر کے گرادیں گے۔

أفی حرم اللہ تقول الشعر حضرت عمرؓ کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جذبات تو قابل قدر ہیں لیکن احترام حرم اور احترام رسول ﷺ کا تقاضا کچھ اور ہے۔اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ ﷺ (الآیۃ) گویا ان کے خیال میں نبی کریم ﷺ کے سامنے اور پھر حرم کے اندر اشعار کہنا سوءِ ادب تھا۔علاوہ ازیں یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابھی تو امن سے عمرہ ادا کرنے کا موقعہ ملا ہے اگر تیرے اشعار سے کفار کے جذبات بھڑک اٹھے تو پھر ممکن ہے کہ ہم کفار کے حملے کی وجہ سے عمرہ تسلی کے ساتھ ادا نہ کرسکیں۔

مگر نبی کریم ﷺ نے عمرؓ کو منع فرمایا اور کہا کہ اسے چھوڑ دو۔کہ اپنے جذبات کا اظہار کرتا رہے ان

کا یہ کام جہاد لسانی ہے کیونکہ جس طرح تلوار کے ذریعے جہاد ہوتا ہے قلم اور زبان سے بھی جہاد ہوسکتا ہے۔ رہے کفار تو وہ ہمارے جہاد اور ان کے اشعار سے ایسے مرعوب ہو چکے ہیں کہ ان کو سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

بہرحال یہاں پر نبی کریمﷺ نے جو اجازت فرمائی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اشعار سارے قبیح نہیں ہوتے بلکہ مضمون اچھا ہو تو ان میں حسن بھی ہوتا ہے۔

أسرع من نضح النبل الخ النبل تیروں کے پھینکنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تیروں کی برسات ان کو اتنا زخمی اور بے قرار نہیں کرسکتی جتنا کہ یہ کلمات اور ابیات ان کا ستیاناس کررہی ہیں(۱) جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

(۷) حدثنا علیّ ابن حجر أنبانا شریک عن سماک ابن حرب عن جابر بن سمرة قال جالست رسول اللہﷺ اکثر من مائة مرة و کان أصحابه یتنا شدون الشعر و یتذاکرون أشیاء من أمر الجاهلية وهو ساکت و ربّما تبسّم معهم(۲).

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں سو بار سے زیادہ نبی کریمﷺ کی (ایسی) مجلسوں میں بیٹھا ہوں جبکہ آپﷺ کے صحابہ (ان مجالس میں) ایک دوسرے سے اشعار سنتے تھے۔ اور جاہلیت کے قصے سناتے تھے۔ نبی کریمﷺ خاموش (ہوکر سنتے) تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسم بھی فرماتے تھے۔

<u>حضور اقدسﷺ کے مجالس میں شعروشاعری:</u> **یتنا شدون الشعر** تناشد ایک دوسرے کے سامنے شعر کہنے اور ایک دوسرے سے سننے کو کہتے ہیں۔ تو گویا نبی کریمﷺ کی مجلس خشک اور

(۱) کفار کو ایذاء رسائی کے لئے فقہاء اسلام نے یہاں تک لکھا ہے کہ لشکر اسلام دار الحرب کے سانپوں اور بچھوؤں کو بھی قتل نہ کرے تا کہ وہ کفار کی ایذا رسائی کے لئے موجود رہیں۔ (مختار)

(۲) جامع ترمذی ۱۵۷۳/۲ ابواب الاستئذان والادب باب ماجاء فی إنشاء الشعر، مسند احمد ۸۶/۵، السنن الکبریٰ للبیهقی ۲۴۰/۱۰، صحیح ابن حبان ۱۵/۷ (مختار)

بے لچک نہ تھی۔ ہر وقت عقل وحکمت اور احکام شریعت کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ کبھی کبار دل لگی اور گپ شپ بھی ہوتی تھی۔ شعر گوئی ہوتی تھی اور آپ ﷺ منع کرنے کی بجائے سنتے رہتے تھے۔ بلکہ کبھی مسکرا کران کی طبع آزمائی کی تحسین بھی فرماتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ان اشعار میں جھوٹ، غیبت، اور فضول گوئی، ہجو اور مبالغہ آرائی نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ آپ ﷺ ضرور منع فرماتے۔ یہ صحابہؓ کی دلداری ان کی تالیف قلبی اور ان کے ساتھ اختلاط اور بے تکلفی تھی جو کہ ایک داعی کے لیے ضروری امر ہے۔ گویا آپ ﷺ اپنی مجلسوں میں تحمیض پیدا فرماتے تھے۔ تفریح طبع کے امور میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جبکہ شعر گوئی عربوں کے لیے فطری طور پر محبوب چیز تھی۔ حمضوا مجالسکم.

من امر الجاهلية الخ یعنی جاہلیت کے زمانے کے واقعات کا بھی ذکر ہوتا تھا۔ ظاہر ہے اس سے تاریخی مباحث چھڑ جاتے تھے۔ کہ فلاں واقعہ کب اور کیونکر ہوا۔ اور فلاں واقعہ کیسے ہوا۔ وتبسم معهم آپ ﷺ کی تحسین کا یہی انداز ہوتا تھا۔ آج کل کے مشاعروں کی طرح واہ واہ۔ مکرر مکرر اور نعروں سے نہیں۔ بس مسکراہٹ سے سبھی سمجھ جاتے تھے کہ یہ شعر آپ ﷺ کو پسند آیا ہے اور یہ بات بار خاطر نہیں ہے

(۸) حدّثنا عليّ ابن حجر انبانا شريک عن عبدالملک بن عمير عن أبی سلمة عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال اشعر کلمة تکلّمت بها العرب کلمة لبيد ألا کلّ شئی ما خلا اللّٰه باطل(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عرب کے کلام میں سب سے زیادہ پُر حکمت کلام لبیدؓ کا یہ جملہ ہے

ع الا کلّ شی ما خلا اللّٰه باطل(۲)

(۱) علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے ويؤخذ منه جواز بل ندب انشاء الشعر واستماعه اذا کان فيه مدح الاسلام والحث علی صدق اللقاء مبايعة النفس للّٰه تعالیٰ (المواهب اللدنية ۱۵۹)(مختار)

(۲) صحيح بخاری ۲/۵۷۳ کتاب المناقب باب ايّام الجاهلية، صحيح مسلم ۲/۲۴۷ کتاب الشعر، جامع ترمذی ۲/۵۷۳ کتاب الاستذان والادب باب ماجاء فی إنشاء الشعر، سنن ابن ماجة ص ۲۶۶ کتاب الادب باب الشعر. (مختار)

اشعر کلمة اشعر شعور سے ہے جو علم کو کہتے ہیں۔ لہٰذا معنی یہ ہوا کہ بڑی عقلمندی اور دانائی کی بات جو عربوں کے ہاں کہی گئی ہے۔ وہ جملہ ہے جو حسن اور دقتِ لفظی کے ساتھ ساتھ ایک بہترین اور نفس الامری کو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ حدیث اس باب میں دوسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔

(۹) حدثنا أحمد بن منيع ثنا مروان بن معاوية عن عبدالله ابن عبدالرحمٰن الطائفيّ عن عمر وبن الشريد عن أبيه قال كنت ردف رسول الله ﷺ فانشدته مائة قافية من قول اميّة بن ابى الصلت كلّما انشدته بيتا قال لى النبى ﷺ هيه حتىّ انشدته مائة يعنى بيتا فقال النبيّ ﷺ ان كا دليسلم(۱).

ترجمہ: حضرت شریدؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا تھا (اس دوران) میں نے نبی کریم ﷺ کو امیۃ بن الصلت کے ایک سو اشعار سنائے۔ جب بھی کوئی شعر سناتا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے "ھیـــــہ" اور سناؤ۔ یہاں تک کہ میں نے ایک سو اشعار ان کو سنا دیئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہو جائے۔

الشـــریـد شرید بن سوید ثقفیؓ مشہور صحابی ہیں۔ طائف میں رہتے تھے۔ مدینہ میں بھی رہ چکے ہیں۔ بیجوریؒ اور ملا علی قاریؒ نے اصل نام عبدالملک بن سوید لکھا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجرؒ کے ہاں اصل نام مالک بن سوید ہے۔ شرید لقب ہے۔ بیعتِ رضوان میں شریک ہو چکے تھے۔

مأة قافية اس سے یا تو کامل قصیدہ مراد ہے لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے مراد سو شعر ہیں اور قافیہ جو جزء ہے کا ذکر کر کے اس کا کل یعنی بیت مراد ہے۔

---

(۱)السنن الكبرىٰ للنسائى ۲۴۸/۶ كتاب العمل اليوم والليلة باب مايقول اذااسترات الخبر، سنن ابن ماجة۳۷۶۶ كتاب الادب باب الشعر، مصنف ابن ابى شيبة۸/۴۰۴ السنن الكبرىٰ للبيهقى ۲۲۶/۱۰ كتاب الشهادة باب لابأس باستماع الحداء ونشيد الاعراب(مختار)

<u>غیر مسلم شاعر امیۃ بن صلت کے ایمان افروز کلام کی تحسین:</u> من امیّۃ بن أبی الصلت یعنی من قصائد امیّۃ بن أبی الصلت یہ بنوثقیف کے مایہ ناز شعراء میں سے تھا۔ رسول اللہﷺ کا زمانہ پایا۔ مگر ایمان سے محروم رہے۔ حقائق اور عقائد صحیحہ سے اس کے اشعار بھرے پڑے ہیں۔ توحید اور بعثت کی حقانیت دنیا کی بے ثباتی اس کے کلام کی روح ہے حتی کہ نبی کریمﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ’’آمن لسانہ و کفر قلبہ ‘‘ یعنی اس کی زبان مؤمن کی زبان ہے لیکن دل کافر ہے۔ تورات اور انجیل کے عالم ہونے کی وجہ سے اس کو آخری نبی کے علامات کا بھی بخوبی علم تھا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسی طرح میں عبادت اور تصوف میں مشغول رہتا مگر جب نبی کریمﷺ کو نبوت بخشی گئی تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگا اور یقین کے باوجود کفر کرنے لگا۔ سب سے پہلے ’’باسمک اللھمّ‘‘ کا استعمال بھی اسی سے منقول ہے۔

ھیــہ: یہ کلمہ اسم فعل ہے اور کسی کلام کے استحسان کے بعد مزید مطالبہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا معنی ہے ’’زد‘‘ یعنی اور سناؤ۔ اس کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امیہ کا کلام توحید بعثت اور دیگر عقائد اسلامیہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں دقیق معانی اور فصاحت میں بھی ممتاز تھا۔

ان کـــا دلیســـلم ان مخفف من المثقل ہے۔ ضمیر شان محذوف ہے جو اسم انّ ہے یعنی انـــہ کـادلیسـلم۔ قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے کیونکہ زبان تو اسلامی ہے۔ بس دل سے انانیت نکل جاتی تو کفر باقی نہ رہتا کہتے ہیں کہ آپﷺ نے اس کا یہ شعر سن کر یہ تبصرہ فرمایا تھا

لک الحمد و النعماء و الفضل ربنا فلا شئی اعلی منک حمداً و لا مجدا

(اے ہمارے رب تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ تیری طرف سے تمام نعمتیں اور تیرے لیے ہی سب فضیلتیں ہیں بس تجھ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے نہ تجھ سے کوئی بزرگ تر۔)

(۱۰) حـدّثنا إسماعیل بن موسیٰ الفزاریّ و علیّ بن حجر و المعنی واحد قالا أنبانا عبدالرحمان بن أبی الزناد عن ھشام بن عروۃ عن أبیه عن عائشةؓ قالت کان رسول اللهﷺ یضع لحسان بن ثابت منبراً فی المسـجد یقوم علیه قائماً یفاخر عن رسول اللهﷺ اوقال ینافخ عن رسـول اللّٰـهﷺ ویقـول رسول اللهﷺ إنّ الله یؤید حسّان بروح

القدس ما ینافع او یفاخر عن رسول اللہ ﷺ(۱).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھوا دیتے تھے۔ جس پر وہ بیٹھ جاتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے فخریہ اشعار پڑھتے تھے یا (یہ کہا کہ) نبی کریم ﷺ کی مدافعت میں (قریش کے اشعار کے جواب میں) اشعار پڑھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ ایسے موقع پر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ روح القدس سے حضرت حسانؓ کی امداد فرماتے ہیں جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ یا یہ کہا کہ ان کی طرف سے مفاخرہ کرتے ہیں۔

حسان بن ثابت اوران کی جہادی شاعری کی تحسین: حسان بن ثابت ابوالولید حسان بن ثابت انصاری خزرجیؓ مشہور صحابی ہیں۔ شعراء اسلام میں سب سے ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؒ کا قول ہے کہ عرب کا اس پر اجماع ہے کہ حسانؓ "اشعر اھل المدر" ہیں۔ یعنی شہری علاقوں میں رہنے والے شعراء میں سب سے بہترین شاعر ہیں۔ نیز یہ بھی ابو عبیدہؒ کا قول ہے کہ حسانؓ کی فضیلت دیگر شعراء پر تین وجوہ سے ہیں۔

(۱) وہ جاہلیت میں شاعر الانصار تھے۔

(۲) زمانہ نبوت میں شاعر رسول اللہ ﷺ تھے۔

(۳) اسلام کے زمانہ میں شاعر یمن تھے۔

جب قریش کے بعض منہ پھٹ شاعروں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار کہے تو لوگوں نے حضرت علیؓ سے جواب کہنے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اگر اجازت دیں تو جواب دوں گا تو لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے حضرت علیؓ کے لیے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا

---

(۱) سنن ابی داؤد ۲/۳۳۵ کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر، جامع ترمذی ۲/۵۷۳ کتاب الاستذان والادب باب ماجاء فی الشعر، المستدرک للحاکم ۳/۴۸۷، مسنداحمد ۶/۷۲ (مختار)

کہ جوقوم نبی کریم ﷺ کی تلواروں سے مدد کرتی آئی ہے وہ زبانوں سے اس کی نصرت کیوں نہیں کرتی۔ اس پر حضرت حسانؓ نے حامی بھرلی کہ یہ کام میں کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم قریش کی ہجو کیونکر کروگے حالانکہ میں انہی میں سے ہوں اور وہ میرے بھائی بندے ہیں۔ حضرت حسانؓ نے کہا کہ میں آپ ﷺ کو اس طرح ان سے نکال لونگا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکالا جاتا ہے۔ چنانچہ آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاکر قریش کے انساب کا پتہ لگایا اور پھر بنو ہاشم اور مسلمان خاندانوں کو چھوڑ کر دیگر قریش کی خوب درگت بنائی۔

آپؓ کو بڑی طویل عمر بخشی گئی تھی۔ ایک سوبیس سال تک زندہ رہے۔ اس میں ۶۰ سال کفر میں اور ۶۰ سال اسلام میں گزارے۔ بلکہ ان کے والد، دادا اور پردادا بھی ایک سوبیس سال تک زندہ رہے تھے۔

آپؓ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ۴۰ھ یا ۵۰ھ یا ۵۴ھ کو وفات پائے۔

یضع لحسان یعنی آپ ﷺ کسی کو حکم دے کر مسجد میں منبر رکھواتے تھے تاکہ حسانؓ اس پر چڑھ کر قریش کے اشعار کا مقابلہ کریں۔

او قال ینافح راوی کو شک ہوا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے **یفاخر** کا لفظ بولا تھا۔ یا **ینافح**. **یفاخر** معنی تو واضح ہے اور ینافح کا معنی یخاصم اور یدافع ہے۔ یعنی آپؓ قریش کی ہجو کا جواب دیکر نبی کریم ﷺ کی مدافعت فرماتے تھے اور مقابلے میں ہجو کرنے والوں کی ہجو کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ اہتمام فخر و تکبر کی بنیاد پر نہ تھا(۱) بلکہ چونکہ کفار سے ہر میدان میں مقابلہ مقصود ہوتا تھا۔ ان کی حوصلہ شکنی اور زبان بندی بھی جہاد کا حصہ تھی۔ اس لئے حضرت حسانؓ کے اس عمل کو جہاد باللسان قرار دیکر آپ ﷺ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور مدحیہ اشعار کہلواتے تھے۔

یؤیّد حسان بروح القدس روح القدس جبرئیلؑ کا لقب ہے اور اس کی تائید کا معنی یہ ہے کہ وہ حسان بن ثابتؓ کو بلیغ کلام اور منہ توڑ جواب کا الہام فرماتے ہیں۔ نیز دشمنوں اور دیگر آفات وبلیات سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

---

(۱)فإنّ التکبر علی الکافرین قربة و علی سائر المتکبرین صدقة(جمع الوسائل ج۲ ص ۵۶)(مختار)

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اشعار کا کہنا نا جائز نہیں بلکہ اگر نبی کریم ﷺ کی مدح، کفر کی ہجو، اسلام کی حمایت اور کفر کی مذمت پر مشتمل ہو تو موجب ثواب ہے حتیٰ کہ مسجد میں بر سر منبر کہنے سے نبی کریم ﷺ راضی ہوتے ہیں۔

(۱۱) حدّثنا إسماعیل بن موسیٰ و علی بن حجر قالا ثنا ابن ابی الزناد عن ابیه عن عروة عن عائشةؓ عن النبی ﷺ مثله(۱).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کی سابقہ روایت لفظاً و معنیً ایک دوسری سند سے مذکور ہے۔

مثله یعنی انہی الفاظ کو دوسری سند سے بھی روایت کیا گیا ہے۔امام ترمذیؒ محض سابقہ روایت کی تائید و تقویت کے لیے یہ دوسری سند لا رہے ہیں۔

(۱)سنن ابی داؤد ۲/۳۳۵ کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر، جامع ترمذی ۲/۵۷۳ کتاب الاستذان والادب باب ماجاء فی الشعر، مسند احمد ۶/۷۲، المستدرک للحاکم ۳/۴۸۷(مختار)

خلاصۂ باب

نبی کریم ﷺ شاعر نہیں تھے۔مگر شعر فہمی کے ملکہ اورادبی ذوق سے بہرہ مند تھے۔خود شعر گوئی کے بارے میں آپ ﷺ سے مختلف قسم کی روایات مروی ہیں۔چنانچہ بعض روایات میں شعر کو زہر سے بھی بدتر کہا گیا ہے۔قرآن نے تو شعراء کو گمراہوں کے لیڈروں کا خطاب دیا ہے۔ملا علی قاریؒ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ابلیس لعین کو جب زمین پر اتارا گیا تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے رب مجھے بھی ایک قرآن(یعنی کتاب پڑھنے کے لیے) عطا فرما۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ"قرآنک الشعر" کہ تیرا قرآن شعر ہے۔ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک شاعر کو گاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا"خذوا الشیطان اوقال امسکوا الشیطان "یعنی اس شیطان کو روکو۔اسی طرح مسجد میں اشعار کہنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی مجلس میں اشعار کہتے تھے۔آپ ﷺ سنتے تھے تقریراً مسکراتے تھے۔پر حکمت اشعار سنانے کی خود فرمائش بھی کرتے تھے۔اور شعر کہنے والے کو دعائیں دیتے تھے۔جبرئیل امینؑ کی مدد کا یقین دلاتے تھے۔خود مسجد ہی میں بڑے اہتمام کے ساتھ منبر لگوا کر شاعرِ رسول ﷺ کو کلام پیش کرنے کی دعوت دیتے تھے۔بلکہ ہجو بالشعر کو مؤمن کا جہاد کہا کرتے تھے۔اور کافروں کی تذلیل سے خوش ہوتے تھے۔خود بطور تمثیل واستشہاد شعراءِ جاہلیت کا کلام نقل کرتے تھے۔اور کافر شعراء کے اچھے کلام کو حکیمانہ کہہ کر اس کی مدح بھی کرتے تھے۔

تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ شعر دو قسم کے ہوتے ہیں۔اول زہر میں بجھے ہوئے اشعار قبیح اشعار، جن میں ناجائز جنسی اور رومانی مضامین،تغزل یا مدح وہجو سے متعلق جھوٹ ہو۔یا پھر عصبیت اور قوم پرستی اور اختلافات کو ہوا دینے والی رزمیہ باتیں ہوں۔اول الذکر احکام ایسے اشعار سے متعلق ہیں جبکہ مؤخر الذکر احکام ان اشعار کے بارہ میں ہیں۔جو حسن ہوتے ہیں۔ان میں حق کی حمایت،اللہ اور رسول کی مدح سرائی اور خدا کے دشمنوں کی زبان بندی،جھوٹ،مسلمانوں کی اذیت،بیہودہ

اور فحش مضامین سے یہ پاک ہوتے ہیں۔

اس باب میں جتنے بھی احادیث وارد ہوئے ہیں۔اس میں شعر کے ساتھ مثبت تعلق معلوم ہوتا ہے۔اس طرح کہ مستحسن اشعار کی تحسین کی گئی ہے اور اچھے اشعار سنانے کی فرمائش آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمائی ہے۔

پھر جو اشعار خود آپ ﷺ کی زبان مبارک پر وارد ہوئے ہیں۔وہ یا تو دوسرے شعراء کے اشعار ہیں جو بطور تمثل آپ ﷺ نے پیش فرمائے ہیں۔یا پھر ایک ایسا کلام آپ ﷺ کی زبان پر بلا قصد وارد ہوا ہے جو اتفاق سے موزوں بھی ہے۔لہٰذا عدم قصد کی وجہ سے وہ شعر کی تعریف میں داخل نہیں ہے اور بعض الفاظ رجز کے قبیلے سے ہے جو نثر میں داخل مانا جاتا ہے۔

(اللھم صلی علی افصح العرب صاحب جوامع الکلم بعدد من تکلم)

۳۸. باب ما ء جاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر

رسول اللہ ﷺ کے قصہ سننے اورسنانے کے بیان میں

اس سے قبل نبی کریم ﷺ کے مطلق کلام کا ذکر ہوا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی بشاشت، حسن خلق اور اس کے بعد شعروشاعری کے ساتھ آپ ﷺ کے کلام کا تعلق بیان ہوا۔ اب نبی کریم ﷺ کے کلام کے ایک دوسرے صنف مسامرہ کا ذکر ہے جو کہ حدیث اللیل یعنی رات کے وقت یاروں دوستوں یا بیوی بچوں کے ساتھ گپ شپ کو کہتے ہیں۔

یہ سمر سکون میم یا سمر میم مفتوحہ سے ہے۔اوراس کے اصل معنی چاندنی کے ہوتے ہیں چونکہ عرب لوگ عموماً صحراؤں اور خیموں میں رہا کرتے تھے۔اس لئے ان کی رات کی مجلسیں عموماً چاند کی روشنی میں منعقد ہوتی تھیں۔آج کل بھی دیہاتی پٹھان لوگ گاؤں سے باہر کشادہ فضا میں گپ شپ کیلئے نکلتے ہیں کیونکہ چاند کی روشنی میں یہ مجالس بہت دلچسپ اور پر لطف ہوتی ہیں۔اور چونکہ رات یا چاندنی کا وقت اس مخصوص قصہ گوئی اور گپ شپ کیلئے ظرف زمان ہوتا ہے۔اس لئے ظرفیت کے اس علاقہ کی بنا پر سمر کا اطلاق خود ان مجلسوں پر ہونے لگا۔

<u>رات کی قصہ گوئی اور حدیث اللیل کی کراہیت میں تطبیق:</u> اس باب میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رات کو باتیں کی ہیں اور دوسروں سے سنی ہیں۔لہٰذا یہ جائز ہے۔لیکن یہاں یہ اشکال ضرور وارد ہوتا ہے کہ بعض روایات میں حدیث اللیل کی کراہت بھی مذکور ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ **وکان (النبی ﷺ) یکرہ النوم قبلھا (یعنی قبل صلوٰۃ العشاء) والحدیث بعدھا**(۱).

تو نبی کریم ﷺ نے خود اس کا ارتکاب کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مسامرہ ممنوع ہے جو خرافات لغو باتوں، فضول گوئی یا غیر شرعی اور مذموم اقوال وافعال پر مشتمل ہو۔ یا پھر اس حد تک اس میں منہمک ہوجائے کہ نیند کا سارا وقت اس میں صرف ہو۔اور پھر نماز تہجد کیلئے اٹھنا تو درکنار صبح کی نماز کیلئے اٹھنے میں بھی تکلیف ہو۔دن کو تعلیم وتعلم اور دوسرے واجبات کیلئے رکاوٹ بنے۔چونکہ اس طرح کی قصہ

(۱) متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۶۲

گوئی دینی امور میں حرج کا باعث ہے اس لئے ممنوع ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ رات کو جلدی سویا جائے اور صبح سویرے اٹھا جائے۔ یہ صحت، دماغ اور دیگر مقاصد کیلئے بہت مفید ہے۔ بعض دیہاتوں میں جہاں رات کو کھانا کھانے کے بعد جلد ہی نماز عشاء پڑھی جاتی ہے اور پھر لوگ سو جاتے ہیں۔ وہاں لوگوں کی صحتیں قابل رشک ہوتی ہیں۔ صبح سویرے اٹھنا بھی مشکل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس نئی تہذیب وتمدن کے مطابق لوگ ساری رات سینماؤں، کلبوں اور بیٹھکوں میں جاگ کر گزار دیتے ہیں۔ اور صبح قریب ہوتے ہی سو جاتے ہیں۔ پھر دوپہر دس گیارہ بجے تک نیند پوری نہیں ہوتی۔ اس سے ایک طرف تو ترک فرائض کے سبب سارا دن نحوست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں جسمانی طور پر بھی بشاشت، نشاط اور تازگی مفقود ہوتی ہے۔

سمر میں اعتدال: ان تمام حکمتوں کے سبب رسول اللہ ﷺ نے سمر سے منع فرمایا۔ لہٰذا وہ ساری گپ شپ جو تھکاوٹ اور ملال کا سبب ہوگی اور دین واخلاق کیلئے مضر ہوگی جائز نہیں۔ لیکن دراصل اس باب میں نفس جواز کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تھوڑی دیر کیلئے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ان کی دلجوئی کیلئے گپ شپ اور دل لگی کرے۔ یا دوست آپس میں عمومی گفتگو یعنی غیر باطل کلام کے ذریعے گپ شپ لگائیں تو کوئی حرج نہیں۔ علاوہ ازیں دینی مجالس اور مذہبی تقاریر پر بھی مسامرہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اگر چہ وہ جلسے جو رات گئے تک منعقد ہوتے ہیں مضرات سے خالی نہیں کیونکہ اس طرح آدمی دن کے وقت کسی کام کا نہیں رہتا۔ بلکہ تجربہ یہ ہے کہ اگر ایک رات جاگ کر کسی جلسے اور پھر خصوصاً سیاسی جلسے میں گزار دی جائے تو دس دن تک دماغ کو اعتدال نصیب نہیں ہوتا اور طبیعت نہیں کھلتی۔ لہٰذا افراط تو بہرحال ممنوع ہے۔ لیکن حدود کے اندر اور شرعی پابندیوں کے اندر سونے سے قبل خوش طبعی کیلئے باتیں کرنا جائز ہے بلکہ بعض علماء نے حسن معاشرت کے انداز میں بیوی یا دیگر گھر والوں کی تفریح طبع کیلئے اسے مسنون کہا ہے۔ اس بارے میں دو حدیث اس باب میں بیان کئے جاتے ہیں۔ جن میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں رہبانیت اور کلی طور پر دنیا سے انقطاع نہیں بلکہ آپ ﷺ کبھی کبھی گپ شپ بھی لگایا کرتے تھے۔

(۱) حدّثنا الحسن بن صبّاح البزّار ثنا أبو النصر ثنا أبو عقيل الثقفيّ عبداللّٰه بن عقيل عن مجالد عن الشعبي عن مسروق عن عائشة قالت حدّث رسول اللّٰه ﷺ ذات (۱) ليلة نساءه حديثا فقالت امرءة منهنّ كان الحديث حديث خرافة فقال أتدرون ما خرافة إنّ خرافة كان رجلا من عذرة أشرته الجنّ في الجاهليّة فمكث فيهم دهرا ثمّ ردّوه إلى الإنس فكان يحدّث الناس بما رأى فيهم من الاعاجيب فقال الناس حديث خرافة(۲).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ ایک رات کو نبی ﷺ نے اپنی بیویوں کو ایک قصہ سنایا۔ان بیبیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ قصہ تو حیرت اور چاشنی میں بالکل خرافہ کی باتوں جیسا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتی ہو کہ خرافہ کون تھا (پھر بتاتے ہوئے فرمایا) خرافہ بنو عذرہ کا ایک آدمی تھا۔ جسے جاہلیت کے زمانہ میں جنات پکڑ کر لے گئے تھے۔ایک عرصہ تک وہ جنات کے درمیان ٹھہرا رہا۔پھر جنات نے اسے لوگوں میں واپس کردیا۔پھر وہ لوگوں کو وہ عجیب وغریب باتیں جو اس نے جنات میں دیکھی تھیں سنایا کرتا تھا۔اسی وجہ سے لوگ (کسی عجیب بات کو سن کر) کہتے ہیں کہ یہ خرافہ کی بات ہے۔

حدّث رسول اللّٰه ﷺ الخ اس حدیث میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یا تو امم ماضیہ کا کوئی قصہ تھا یا جنت دوزخ یا دیگر اقوام وملل کا کوئی دلچسپ واقعہ تھا۔اس مجلس میں بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوتی تھیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ساری بیویوں کی دلجوئی بھی فرمایا کرتے تھے اور اجتماعی طور پر بھی ان کے ساتھ نشست وبرخاست اور گپ شپ لگایا کرتے تھے۔جس طرح کہ اس موقع پر ساری

(۱) عربی لغت میں ذات کے متعدد معانی ہیں (۱) ذات بمعنی حال (۲) بمعنی شب وروز کا کوئی سا لحہ (۳) بمعنی انسان (۴) بمعنی نفس (۵) بمعنی ارادہ وعزائم۔یہاں پر دوسرا معنی یعنی دن ورات میں سے کوئی لحہ (مختار)

(۲) مسند احمد ۶/۱۵۷

بیویاں اس قصہ کو سن رہی تھی۔

خرافۃ اوراس کی باتیں: کان الحدیث حدیث خرافة ان ازواج مطہرات میں سے ایک نے کہا کہ یہ قصہ تو خرافہ کے قصوں کی طرح معلوم ہوتا ہے اور خرافہ کے قصوں سے تشبیہ محض عجیب اور حیران کن ہونے کے لحاظ سے ہے۔ دلچسپ و عجیب اور غیر مانوس بات کو خرافہ کی بات سے تشبیہ دے سکتے ہیں کیونکہ خرافہ ایسی باتیں کیا کرتا تھا جو کہ انسانوں کی باتیں نہ تھیں بلکہ عجیب اور بے سروپا باتیں ہوتی تھیں۔ تو یہ بی بی بھی آپ ﷺ کی باتوں کو محض عجیب ہونے کے سبب خرافہ کی بات سے تشبیہ دے رہی ہیں۔ جھوٹ ،افسانویت، یا بیہودگی میں تشبیہ مقصود نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا کلام ان امور سے پاک ہوتا تھا۔

عورتوں کو صیغۂ مذکر سے خطاب: اتدرون ما خرافة الخ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے تشبیہ تو دی لیکن کیا تمہیں خرافہ کا کچھ پتہ بھی ہے کہ خرافہ کون تھا۔ بیبیوں کو خطاب کی وجہ سے یہاں أتدرین چاہیے تھا۔ لیکن عورتوں کو مردوں کے صیغۂ تخاطب کے ساتھ خطاب کیا جو کبھی کبھی کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مجد و شرف اور اعزاز کے طور پر عورتوں کو مردوں کے خطاب سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ کبھی تو تغلیب کی وجہ سے کیا جاتا ہے یعنی عورتوں اور مردوں کی مخلوط جماعت کو مخاطب کیا جاتا ہے اور مردوں کو تغلیب دینے کی بناء پر مذکر کا صیغہ لایا جاتا ہے۔ اور یہ نہ بھی ہو تو صرف عورتوں کو بھی اعزاز و اکرام کے طور پر اس قسم کا خطاب ناجائز نہیں۔ اس بات پر تنبیہ کیلئے کہ عورتیں اگرچہ ناقصات العقل والدّین ہیں۔ لیکن تم مخاطب کامل العقل والدّین ہو۔ اور اس مقام پر تو خصوصی طور پر یہ بات زیادہ ملحوظ ہوگی کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہ وغیرہا کو کون ناقصۃ العقل کہہ سکتا ہے؟ تو آپ نے شرف، کمال علم اور شرف ملازمہ کیوجہ سے ان کو مردوں کا درجہ دیگر مردوں کے صیغہ سے مخاطب کیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان عورتوں کی جماعت کی تاویل اشخاص سے کر کے آپ ﷺ نے جمع مذکر کا صیغہ استعمال فرمایا۔ قرآن میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وکانت من القانتین'' اس میں حضرت مریم علیہ السلام کو قانتات کی بجائے قانتین سے گنا گیا ہے۔ دوسری جگہ ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت ویطھّرکم تطھیرا حالانکہ یہاں پر عنکن اور یطھّرکن

چاہیے تھا۔سورۃ القصص میں موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے بارے میں فرمایا ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها لتکون من المؤمنین.(الآیة)

چنانچہ مؤمنات کی جگہ مؤمنین کا ذکر ہوا۔ایک شاعر اپنی بیویوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ

ع ولوشئت طلقت النساء سواکم. اگر میں چاہوں تو تمہارے سواسب عورتوں کو چھوڑ دوں حالانکہ یہاں سواکن چاہیئے تھا(۱)۔

<u>قبیلہ عذرہ:</u> من عذرہ الخ عذرہ یمن کے ایک قبیلہ کا مقام ہے۔اس قبیلہ کی عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ بہت محبت کرتی تھیں۔ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ میں عذرہ قبیلہ میں گیا تو وہاں کوئی بوڑھا مجھے نظر نہ آیا۔مجھے تعجب ہوا میں نے پوچھا تو لوگ کہنے لگے کہ ہماری بیویاں بہت حسین وجمیل ہیں اور خاوندوں کے ساتھ ایسی محبت سے پیش آتی ہیں کہ آدمی کو سر ے سے بوڑھا نہیں ہونے دیتیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ بیوی اگر ٹھیک نہ ہو تو مرد کو بہت جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔جب پریشانیاں زیادہ ہوتی ہیں تو بڑھاپا جلدی آتا ہے(۲)۔

عربوں میں محاورہ کے طور یہ بات بھی مستعمل ہے کہ ”فی العذر معذرة“ اس میں بھی عذر سے یہی عذرہ کا قبیلہ مراد ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بنوعذرہ میں کہیں دل لگا بیٹھے تو وہ قابل ملامت نہیں بلکہ افراط حسن اور کثرۃ خلوص کے باعث معذور سمجھا جائے گا۔قصیدہ بردہ کے ایک شعر میں

(۱)اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مصرآتے ہوئے کوہ طور آئے۔تواپنی بیوی سے فرمایا کہ امکثوا إنّی آنست ناراً لعلی آتیکم بخبرٍ (الآیة) حالانکہ امکثی اورآتیک کہنا چاہیے تھا۔بخاری شریف میں آتا ہے إنّ بعض ازواج النّبیّ ﷺ قلن للنّبیّ ﷺ اینا أسرع طوقاقال أطولکن یداً فاخذوا قصبةً یذرعونها فکانت سورة الحدیث . حالانکہ یہاں فاخذن قصبةً یذرعن ہونا چاہیے تھا۔(۱۲اصلاح الدین)

(۲)قصیدہ بردہ کے شارحین نے اس حکایت کو قدرے تغیر کے ساتھ تحریر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ اس قبیلے کے لوگ عموماً جوانی کے ایام میں فرط عشق کی وجہ سے مرجاتے تھے تو ایک عذری سے اس کے متعلق پوچھا گیا۔اس نے جواباً کہا ”فی قلوبنا خفة و فی نساء ناعفة“(شیخ زادہ)یعنی ہمارے دلوں میں وفور عشق کی وجہ سے میلان زیادہ ہوتا ہے۔اور کمال حسن کے باوجود ہماری عورتیں فحش وزنا سے عفیف اور پاکدامن رہتی ہیں۔

(شرح عمرالخرپوتی وشرح شیخ زادہ علی البردہ ص ۲۴)(اصلاح الدین)

علامہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیریؒ نے عذرہ قبیلہ کی اسی محبت کی طرف اشارہ فرمایا ہے(۱)۔

أسرته الجن الخ جنات کا وجود حق ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں جنات کا غلبہ زیادہ ہوتا تھا۔ اسلام کے بعدان کے فاسد اثرات کا سلسلہ بہت حد تک رک گیا۔ اگر چہ اب بھی کچھ کچھ باقی ہے لیکن اب وہ اسلامی مارشل لاء کے تحت ہیں تا کہ وہ اسلامی نظریات وتعلیمات میں گڑ بڑ نہ کرسکیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تدلیس وتلبیس سے اس دین حق کو محفوظ رکھنا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنات پر پہرے بٹھادیئے۔ سورۃ الجن میں اس پابندی کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

بما رأیٰ فیهم من الاعاجیب الخ جنات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ وہاں کے عجیب مشاہدات مرچ مصالحہ لگا کر بیان کرتا تھا۔ اس قسم کی عجیب روایات راوی کے نام کی وجہ سے خرافات کہلانے لگیں۔ **فقال الناس حدیث خرافة الخ** یعنی پھر جو بے سند لایعنی اور فضول سی باتیں ہوتی تھیں۔ لوگ کہتے کہ یہ خرافہ کی بات ہے۔ گویا تشبیہ کے سبب حیرت انگیز واقعات پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے ایک گھوڑا دیکھا جس کے دس کان بیس پاؤں اور پانچ دم تھے۔ میں اس پر سوار ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

ابوالعلاء مصری عظیم شاعر گزرے ہیں متقدمین میں علم ادب کے امام ہیں۔ مادرزاد اندھے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ ملحد بھی تھا اور آخرت کا منکر تھا۔ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے وہ کہتے ہیں۔

حیاة ثم موت ثم بعث — حدیث خرافة یا امّ عمرو

---

(۱) فرماتے ہیں **یالائمی فی الهویٰ العذری معذرة — منیّ الیک ولو انصفت لم تلم**

ترجمہ: ای عذری محبت میں مجھے ملامت کرنے والے میری طرف سے تجھے عذر پیش ہے اور اگر تو انصاف کرتا تو مجھے ملامت نہ کرتا۔

قصیدہ بردہ کے شارحین نے لکھا ہے کہ اصمعیؒ اس قبیلہ کے بارے میں جانتے تھے۔ اس کی روایت کے بارے میں عذرہ کا ایک عاشق اس وقت مر گیا جب اس نے محبوبہ کے قافلے کی گرد دیکھی۔ مولانا افتخار علی دیوبندی عطرالوردہ میں لکھتے ہیں کہ بنو عذرہ کی عمریں فرط عشق کی بناء پر تیس سال سے تجاوز نہیں کرتیں اور جب ایک عذری سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگا **فی قلوبنا رقة و فی نساء ناجمال و عفة** ترجمہ: ہمارے دلوں میں رقت اور عورتوں میں خوبصورتی اور پاکدامنی ہے۔ (اصلاح الدین)

یعنی کیا زندگی اس کے بعد موت اور پھر دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔اے ام عمرو یہ تو خرافہ والی بات ہے یعنی بے سروپا اور غیر متوزان سی بات ہے۔ بعد میں خرافہ کے نام سے مشتق افعال بھی استعمال ہونے لگے اوراسی وجہ سے اس مادے میں دماغی عدم توازن کا مفہوم پایا جاتا ہے کہتے ہیں کہ خَرِفَ الرجُلُ جب وہ الٹی سیدھی اور بے سروپا باتیں کرنے لگے(۱)۔

اس کے بعد حدیث ام زرع کا بیان ہے۔

حدیث ام زرع: یہ حدیث اس باب کی دوسری حدیث ہے اوراس میں بھی رات کو قصہ گوئی کا ذکر ہے مگر اس حدیث کو مستقل عنوان دیا گیا ہے کیونکہ اس میں گیارہ عورتوں کا اپنے شوہروں کے بارے میں بیان ہے خوب فصیح وبلیغ انداز سے وہ شوہروں کے ساتھ انداز معاشرت کا اظہار کرتی ہیں اور خصوصا آخری عورت ام زرع کا بیان نہایت اہم ہے اس حدیث پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور شارحین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اسکی تشریحات کی ہیں۔عربی ادب اور لغت کے اعتبار سے اسمیں بہت اہم مواد موجود ہے۔ گیارہ عورتوں میں سے آخری عورت ام زرع کا بیان چونکہ نہایت مفصل اور جامع مانع ہے پھر نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی تشبیہ ام زرع سے دی تھی۔یعنی ابوزرع کے ہاں ام زرع کا جو مقام تھا اور جو حیثیت تھی اسی طرح کی محبت آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ سے تھی تو اس خصوصیت اوراہتمام کی

(۱) شیخ عبدالجوادالدومیؒ نے حدیث مبارک سے عشاء کے بعد اپنے اہل وعیال سے اچھی اور دلجوئی کی باتیں کرنے اور دل لگی کرنے کے جواز کا استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے ویؤخذ من الحدیث حسن معاشر الرجل لاھلہ وسمرۃ معھم واخبارہ لھم بالخفیف من الامور وقصتہ علیھم القصص المفیدۃ اقتداء بہ ﷺ فإنّ التشبہ باھل الفلاح فلاح(الاتحافات۲۹۸،۲۹۹)البتہ جن روایات میں عشاء کے بعد قصہ گوئی اور گفتگو سے منع وارد ہے۔اس سے مراد بیہودہ کلام ہے۔علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے والنھی الوارد عن الکلام بعدالعشاء محمول علی مالایعنی عن الکلام بعدالعشاء ولذالک قال فی المنھج وکرہ نوم قبلھا وحدیث بعدھا الافی خیر(المواھب اللدنیۃ ۱۶۲) اورعلامہ ملاعلی قاریؒ نے دونوں متعارض روایات کے مابین تطبیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔فالنھی الوارد محمول علی کلام الدنیا مالایعنی فی العبقیٰ والحکمۃ ان یکون خاتمۃ فعلہ وقولہ بالحسنیٰ ومکفرۃ لما وقع لہ فیما مضیٰ(جمع الوسائل ۵۸/۲)(مختار)

وجہ سے اس کے نام سے اس حدیث کو معنون کر دیا گیا ورنہ یہاں تو گیارہ عورتیں ہیں سب نے شوہروں کا بیان کیا ہے۔

قطعی طور پر ان عورتوں کے نام معلوم نہیں ہوسکے اگرچہ بعض مورخین نے ان کے ناموں اور شجروں پر بحث کی ہے کہ یہ عورت فلاں قبیلے کی فلاں خاتون تھیں۔ خطیب بغدادی تو ان کے اسماء کا مسئلہ مھّمات میں سے شمار کرتے ہیں جنہوں نے آٹھ عورتوں کے ناموں کی تعین کی ہے ام زرع کا نام عاتکہ بتایا ہے عرب صحرائی اور خانہ بدوش زندگی گزارنے کے عادی تھے یہ عورت بھی ایک دیہاتی عورت تھی جس کا تعلق مکہ، یمن یا جمار کے دیہاتی علاقوں سے تھا۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) حدّثنا علیّ بن حجر قال أنا عیسٰی بن یونس عن هشام ابن عروة عن أخیه عبدالله بن عروة عن عروة عن عائشةؓ قالت جلست احدیٰ عشرة امرلةً فتعا هدن و تعاقدن ان لاّ یکتمن من أخبارازواجهنّ شیئاً (۱)فقالت الاولی زوجی لحم جمل غث علی راس جبل وعرٍ لا سهلٍ فیرتقیٰ ولاسمینٌ فینتقیٰ(۲) قالت الثانیةزوجی لا ابثّ خبره إنّی أخاف ان لا اذره ان اذکره اذکر عجره وبجره(۳) قالت الثالثةزوجی العشنق ان انطق أُطلق فان اسکت اعلّق(۴) قالت الرابعةزوجی کلیل تهامة لاحرّ ولا قرّ ولامخافة ولاسامة(۵) قالت الخامسةزوجی ان دخل فهدوان خرج اسد ولایسال عمّا عهد (۶)قالت السادسة زوجی ان اکل لفّ وان شرب اشتّف وان اضطجع التّف ولایولج الکفّ لیعلم البث(۷) قالت السابعةزوجی عیا یاء اوغیاياً طباقاء کل داء له داءٌ شجّک او فلّک اوجمع کلّالک (۸)قالت الثامنةزوجی المسُّ مسّ ارنب والریح ریح زرنب(۹) قالت التاسعةزوجی رفیع العماد عظیم الرّماد طویل

النّجاد قریب البیت من النّاد(١٠) قالت العاشرۃزوجی مالک وما مالک مالک خیرٌ من ذلک لہ ابل کثیرات المبارک قلیلات المسارح اذا سمعن صوت المزھر ایقنَّ إنّھنّ ھوالک (١١)قالت الحادیۃعشرۃ زوجی أبوزرع و ما أبو زرع اناس من حلیّ اذنیّ وملائمن شحم عضدیّ وبحجنی فبجحت إلیّ نفسی وجدنی فی اھل غنیمۃ بشقٍ فجعلنی فی اھل صھیل واطیط ودآئس ومنقّ فعندہ اقول فلا اقبّح وارقد فاتصبّح واشرب فاتقمّح امّ أبی زرع فما امّ أبی زرع عکومھا رِداح وبیتھا فساح ابن أبی زرع فما ابن أبی زرع مضجعہ کمسل شطبۃ و تشبعہ ذراع الجفرۃ بنت أبی زرع فما بنت أبی زرع طوع ابیھا وطوع امّھا وملاکسائھا و غیظ جارتھا جاریۃ أبی زرع فما جاریۃ أبی زرع لاتبثّ حدیثنا تبثیثا و لاتنقث میرتنا تنقیثا و لا تملأً بیتنا تغشیشا قالت خرج أبوزرع والاوطاب تمغض فلقی امراۃً معھا ولدان لھا کالفھدین یلعبان من تحت خصرھابرمّانتین فطلّقنی فنکحا فنکحت بعدہ رجلا سریّارکب شریّا واخذ خطّیّا واراح علّی نعما ثریّا واعطانی من کلّ رائحۃ زوجا وقال کلی امّ زرع و میری اھلک فلو جمعت کلّ شئی اعطانیہ مابلغ اصغرانیۃ أبی زرع قالت عائشۃ فقال لی رسول اللہﷺ کنت لک کأبی زرع لامّ زرع(١).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ گیارہ عورتیں اکٹھی بیٹھ گئیں اور اپنے درمیان اس معاہدہ اور عہد پر اتفاق کرلیا کہ وہ اپنے خاوندوں کے حالات میں سے کچھ بھی نہیں چھپائیں گی (بلکہ ٹھیک ٹھیک بیان کریں گی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ

---

(١)صحیح بخاری ٢/٧٧٩ کتاب النکاح باب حسن المعاشرہ مع الاھل، السنن الکبریٰ للنسائی ٦/٣٥٤ کتاب عشرۃ النساء ابواب حقوق الزوج باب شکرالمرأۃ لزوجھا(مختار)

کہتی ہیں کہ تب (پہلی عورت بولی) کہ میرا خاوند کمزور ناکارہ اونٹ کے گوشت جیسا ہے (اور وہ بھی) پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو نہ اس پہاڑ کا راستہ ہموار اور آسان ہے تا کہ اس پر چڑھ کر گوشت سے مستفید ہوسکیں اور نہ گوشت چربی والا ہے تا کہ (رغبت کی وجہ سے) اسے کھانے کیلئے چنا جائے (یا پہاڑ کی چوٹی سے اتار کر کھایا جائے)۔ (دوسری کہنے لگی) کہ میں اپنے خاوند کی خبریں فاش نہیں کرتی میں ڈرتی ہوں کہ میں اسے (خاوند یا اس کی بات کو) نہ چھوڑ سکوں گی۔ اگر میں اس کا ذکر کروں گی تو اس کے ظاہری اور باطن عیوب سب کچھ ہی ذکر کروں گی۔ (تیسری بولی) میرا خاوند لمبا تڑنگا آدمی ہے اگر میں بولتی ہوں تو مجھے طلاق دی جاتی ہے۔ اور اگر چُپ رہتی ہوں تو (ضروریات زندگی سے محروم رہ کر گویا) معلق رہتی ہوں۔ (چوتھی بولی) میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے نہ اس میں گرمی زیادہ ہے نہ ٹھنڈک۔ نہ اس سے خوف لاحق ہوتا ہے نہ دل اچاٹ ہوتا ہے۔ (پانچویں بولی) میرا خاوند جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے۔ اور (گھر میں) جو کام اس سے متعلق ہوتا ہے اس کا نہیں پوچھتا اگر سوتا ہے تو (کپڑے یا لحاف میں) سمٹ کر سو جاتا ہے اور (میری طرف) ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا تا کہ اسے میری کچھ پراگندگی معلوم ہو سکے۔ (چھٹی بولی) کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے۔ اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا دیتا ہے۔ اور جب سوتا ہے تو اکیلے ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے۔ میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا۔ جسے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔ ساتویں بولی کہ میرا شوہر سست و درماندہ یا نامرد ہے یا یوں کہا کہ احمق و گمراہ ہے بھاری بھرکم (یا انتہائی سردمہر) ہے ہر بیماری اس میں موجود ہے (جب مارنے پر آئے) تو تیرا سر پھوڑ دے یا ہڈیاں توڑ دے یا دونوں کام کر ڈالے۔ (آٹھویں بولی) میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم اندام ہے اور اس کی

خوشبو(خوشبودار بوٹی) زرنب جیسی ہے۔(نویں بولی) میرا خاوند(حسب وشرافت میں)بلند ستونوں والا(سردار) ہے بہت زیادہ راکھ کا مالک (سخی) ہے (تلوار کی)لمبی کاٹھی والا ہے۔ اس کا مکان مجلس (قومی جائے مشاورت)کے قریب ہے۔(دسویں بولی) میرا خاوند مالک(نامی شخص) ہے اور مالک کیا ہے؟ وہ اس (نویں عورت کے شوہر سے یا مذکورہ تمام شوہروں سے یا میری طرف سے آگے بیان ہونے والی صفات) سے بہتر ہے اس کے اونٹ ہیں جو اکثر مکان کے قریب بندے ہوئے اور کم ہی چراگاہ میں چرنے والے ہیں جب وہ اونٹ ساز کی آواز سن لیتے ہیں تو ان کو یقین ہوجاتا ہے کہ وہ ذبح کئے جانے والے ہیں۔ (گیارویں بولی)میرا خاوند ابوزرع تھاابوزرع کیا تھا؟(ایک عظیم شخص تھا) اس نے زیوروں سے (پہنا کر)میرے دونوں کان جھکادیئے تھے اور میرے دونوں بازو چربی سے بھردیئے تھے مجھے اتنا خوش وخرم رکھا کہ میں خودکو پسند کرنے لگی۔اس نے مجھے جفاکش بکریوں والے(غریب) خاندان میں پایا جو تنگی کے دن رات بسر کرتا تھا پھر وہ مجھے ایسے خوشحال خاندان میں لے آیا جہاں ہنہناتے گھوڑے، بلبلاتے اونٹ،فصل کو گاہنے والے بیل اور اسے صاف کرنے والے نوکر چاکر(بکثرت) تھے(ان کی ناز برداری کی وجہ سے) میں ان کے ہاں جو بھی کہتی مجھے کوئی برا نہیں کہتا تھا۔میں سوتی تو دن چڑھے تک سوتی رہتی تھی ، پیتی تو خوب سیر ہونے کے بعد بھی بتکلف پیتی تھی۔(میری ساس)ابوزرع کی ماں بھلا وہ کون تھی اس کے کھانے کے بڑے برتن ہمیشہ بھرے رہتے تھے۔اس کا گھر نہایت وسیع تھا۔ابوزرع کا بیٹاوہ کون تھا (دبلا پتلا نوجوان) کہ اس کے سونے کی جگہ باریک چھڑی کی طرح تھی بکری کے بچے کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہے۔ابوزرع کی بیٹی بھلا وہ کون تھی؟ وہ اپنے باپ کی تابعدار اور اپنی ماں کی فرمانبردار تھی اور (موٹائی کے باعث) اپنے

کپڑوں کو بھرنے والی تھی (حسن و جمال اور کمال کی وجہ سے) اپنی سوکن کو غیظ وغضب میں مبتلا کرنے والے تھی۔ ابوزرع کی باندی کیا تھا وہ ہماری باتیں گھر کے باہر ظاہر نہیں کرتی تھی اور کھانے کی اشیاء میں ہیر پھیر نہیں کرتی تھی۔ ہمارے گھر کو (چغلخوری کرکے یا گندگی پھیلا کر) کھوٹ سے نہیں بھرتی تھی۔

ام زرع بولی کہ (لطف کی ایسی حالت میں) ایک دن ابوزرع (صبح سویرے) جبکہ دودھ کے برتن بلوئے جارہے تھے۔ گھر سے نکلا تو ایک عورت سے ملا جس کے ساتھ چیتوں جیسے (پھرتیلے) دو بچے تھے، دونوں بچے (لیٹی ہوئی) ماں کے پہلو کے نیچے سے دو انار لڑھکا کر آپس میں کھیل رہے تھے (یا اس کے انار جیسے پستانوں سے کھیل رہے تھے) تو (اس عورت کو دل دے کر) ابوزرع نے مجھے طلاق دیدی اور اس عورت سے نکاح کرلیا (اس سے طلاق لے کر) میں نے اس کے بعد ایک سردار شخص سے نکاح کیا جو ایک تیز رو گھوڑے پر شہسواری کرتا تھا اور نیزے کا حامل (جنگجو) تھا۔ اس نے مجھے بہت جانور دیکر مالا مال کردیا اور ہر شام کو گھر آنے والے (اونٹ، بیل، بھیڑ اور بکریوں) سے ڈبل ڈبل مہیا کردیئے۔ مجھے (اجازت دیتے ہوئے) کہا کہ اے ام زرع خود بھی کھاؤ اور اپنے میکے کو بھی کھلاؤ۔ مگر پھر بھی اگر وہ تمام مال اور نعمتیں جو اس شخص نے مجھے دے دیں جمع کردوں تو بھی ابوزرع کے چھوٹے سے چھوٹے برتن کو نہ بھرسکیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ (اس قصہ کو سننے یا سنانے کے بعد) نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ میں تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع ام زرع کیلئے تھا۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا مصنف رحمۃ اللہ نے اس مقام پر اور اسی طرح بخاریؒ و مسلمؒ نے اس حدیث کو موقوف ذکر کیا ہے لیکن علامہ طبرانیؒ نے اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے۔ چنانچہ ان کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس ایک رات تشریف لائے

اور فرمایا کہ میں تیرے لئے ایسا ہوں جیسے ابوزرع ام زرع کیلئے تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوزرع اور ام زرع کی کیا بات تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جلست احدیٰ عشرة امرأة الخ" (۱)

اسی طرح اس حدیث کے آخر میں "کنت لک کابی زرع لامّ زرع" سے بھی حدیث کا مرفوع ہونا معلوم ہو رہا ہے"

جلست احدیٰ عشر ا مرأة الخ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جب بھی موقع پاتی ہیں ایک دوسرے کو خاوندوں کے قصے، ان کے عیوب یا ان کے محاسن بیان کرتی ہیں۔ تو یہ عورتیں بھی ایسی تھیں کہ اکثر اپنے شوہروں سے تنگ تھیں۔

<u>عورتوں کے جبلّی خواہش کی پاسداری:</u> ان کے خاوند اپنے کسب معاش کیلئے یا جنگوں اور لوٹ مار کیلئے مہینوں غائب رہتے۔ جیسے آج کل لوگ اکثر ابوظہبی، دبئی، قطر وغیرہ ممالک میں جا کر برسوں رہتے ہیں ادھر عورتیں بیچاریاں پریشانی اور فراق کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ روزگار کی تلاش اور عرب کے پٹرول کے خزانوں کی وجہ سے آج بھی ہزاروں معاشرتی، اخلاقی اور معاشی برائیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ خصوصاً مردوں کی غیر حاضری سے یہ مسائل جنم لیتے ہیں۔ سلف صالحین نے اس مسئلہ کو بڑی سنجیدگی سے لیا ہے۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر کے قریب سے گزرے اندر سے عورت کی آواز سنی جو کچھ اشعار گا رہی تھی جن کا مفہوم یہ تھا کہ اگر خدا کا خوف نہ ہوتا میں یہ چارپائی توڑ دیتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر گلی میں کھڑے ہوگئے۔ خاتون کی بات سے حیرت ہوئی۔ پتہ چلا کہ یہ ایک نوجوان عورت ہے جس کا خاوند جہاد کو گیا ہے۔ فطری طلب نے اسے یہ اشعار کہنے پر مجبور کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بہت دکھ ہوا۔ سوچا کہ یہ تو عظیم مسئلہ ہے۔ اس کے بعد تفتیش کی کہ ایک عورت کتنے دنوں تک خاوند کا فراق گوارا کر سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ تین ماہ تک گزارہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ تین ماہ میں ہر شادی شدہ مجاہد کو لازماً گھر جانا ہوگا۔ انسانی حقوق کی اس انداز سے پاسداری جدید نظام میں ہرگز موجود نہیں نہ روس میں نہ امریکہ میں نہ کسی اور ملک میں ہے۔

---

(۱) المواهب اللدنیه ص ۱۸۲ وکذا ذکره النسائی مرفوعاً کما نقل عنه علی القاری فی الجمع ج۲ ص ۷۳ (اصلاح الدین)

بہر حال یہ عورتیں جو مکہ اور حجاز کی رہنے والی تھیں یا ایک قول کے مطابق یمن کے بنوخثعم قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں جمع ہوئیں اور اس قسم کی پریشانیوں میں غم غلط کرنے کیلئے آپس میں طے کیا کہ آؤ اپنے شوہروں کے بارے میں باتیں کریں۔ لیکن پہلے آپس میں قسمیں کھائیں کہ اپنے مردوں کے حالات نہیں چھپائیں گی ہر ایک اپنا راز ضرور ظاہر کریں گی۔ خاوندوں کی اچھائی اور برائی میں سے جو بھی حقیقت ہو بیان کریں گی۔

پہلی عورت کا جامع تبصرہ: زوجی لحم جمل غث الخ پہلی عورت اپنے خاوند کا ذکر کرتی ہے۔ غثّ سخت کمزور چیز کو کہتے ہیں۔ غث اللّحم کا معنی ہے فسد اللحم یعنی گوشت سڑ گیا۔ غثت الشاۃ کا معنی ہے نحفت وضعفت یعنی کمزور اور ضعیف ہو گیا۔ لہٰذا غثّ فاسد، ردی اور بیکار یا نحیف اور لاغر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس مقام پر اسے جر سے پڑھا جائے تو یہ جمل کی صفت ہوگا۔ یعنی ایسے اونٹ کا گوشت ہے جو کمزور اور لاغر ہے۔ اسکو ملا علی قاریؒ نے روایت مشہورہ، اور علامہ بیجوریؒ اور مناویؒ نے راجح قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس طرح غثّ قریب ترین موصوف کیلئے صفت بن جائیگا اور اگر غث کو مرفوع پڑھا جائے تو یہ لحمٌ کی صفت ہوگا۔ اور فاسد اور ردی گوشت کا معنی دے گا۔ اصل میں غث سمینٌ کی ضد واقع ہوا ہے۔ صحیح اور غلط میں تمیز نہ کرنیوالے کے بارے میں عرب کہتے ہیں "فلانٌ لایعرف الخث من السمین"

علی راس جبل وعر: وعر ضرب، سمع اور کرم تینوں ابواب سے آتا ہے۔ سخت ہونے کے معنی پر مستعمل ہے۔ جبل وعر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو سخت ہو۔ اس پر بیٹھنا اور چڑھنا دشوار ہو۔ "علی راس جبل" اگرچہ جمل کی صفت بھی ہو سکتا ہے لیکن لحم کی صفت ہونا بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے۔ لاسمین سمن سے صفت مشبہ ہے جس کا معنی ہے چربی والا ہونا۔ معنی یہ ہے کہ گوشت چربی والا بھی نہیں ہے۔

فینتقیٰ انتقاء کے معنی خالص اور صاف چیز چننا۔ جبکہ بعض شراح نے لکھا ہے کہ یہ نقی سے ہے جو ہڈی کے درمیان گودے اور مغز کو کہتے ہیں۔ پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ اچھا گوشت نہیں ہے کہ اس کا گودا نکال کر کھایا جا سکے۔ اور بعض روایات میں فینقل مروی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چربی والا نہیں کہ گھر استعمال کیا جا سکے بلکہ بیکار ہے۔

اس عورت نے مختصر، جامع اور فصیح ادبی الفاظ میں خاوند پر تبصرہ کیا ہے۔وہ زمانہ ادب کے لحاظ سے عربوں کیلئے سرمایہ افتخار تھا۔بعد کے دیگر تبصرے بھی بلند ادبی مقام رکھتے ہیں۔

یہ عورت دراصل خاوند کی مذمت کرتی ہے۔خاوند کو اونٹ کے گوشت سے تشبیہ دی ہے اور کھائے جانے والے جانوروں میں سب سے زیادہ بے کار اور سخت گوشت اونٹ کا گوشت ہوتا ہے۔نہ آسانی سے پکتا ہے نہ لذت کے لحاظ سے مرغوب ہے مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند قابل محبت شخص نہیں۔اور خصوصاً جب اونٹ بھی کمزور اور بے کار سا ہو۔تو اس کا گوشت اور بھی بے فائدہ ہوتا ہے۔علاوہ ازیں اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ میرا خاوند جنسی اعتبار سے بھی کمزور ہے۔کیونکہ یہاں تشبیہ گوشت کے ساتھ دی ہے اور ذبیحہ کے گوشت میں حیات نہیں ہوتا مردہ ہوتا ہے۔گویا وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی میں بھی کام کا نہیں۔اس میں کچھ بھی ذوق وشوق اور محبت وگرمی نہیں۔رڈی بے خیر مردہ اور جامد سا ہے۔اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مجھ سے دور رہتا ہے پھر بھی اچھا ہوتا اگر کبھی ہاتھ آتا مگر ایسا بھی نہیں وہ تو گویا دشوار گزار چڑھائی والے پہاڑ کے سرے پر ہے۔ہماری رسائی وہاں نہیں ہوسکتی کیونکہ اس پر چڑھنے کا کوئی طریقہ نہیں یا وہ متمرد اور متکبر بھی ہے۔کیونکہ "فلان علی راس جبل" تکبر اور سرکشی کیلئے بھی بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے پھر اونٹ کا گوشت بھی اگر چربی والا ہوتا تو اس سے انتخاب کیا جاسکتا تھا۔اس کا بہتر حصہ کام میں لایا جاسکتا تھا یا اگر ممکن ہوتا تو بتکلف پہاڑ سے اتار لیا جاتا مگر وہ اس کا بھی اہل نہیں بہت بیکار ہے۔اس میں گویا خیر کی کوئی جہت نہیں ہے۔

<u>دوسری عورت کا ذومعنی کلام:</u> قالت الثانیہ زوجی لاابثّ خبرہ الخ،نصر کے باب سے بث یبث کا معنی ہے افشاء کرکے پھیلانا اور منتشر کرنا اس کی ضد جمعیت اور اجتماع ہے،سخت بیماری،بدحالی اور غم کو بھی بث کہتے ہیں۔قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے "انما اشکو بثی وحُزنی الی اللہ" یعنی میں اپنی بدحالی اور غم کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں۔معنی یہ ہے کہ میں اپنے خاوند کی باتیں ظاہر نہیں کرسکتی۔حضور اقدس ﷺ کی دعا ہے اللّٰھم الیک الشکوا بثی وحزنی الخ۔

إنّی أخاف ان لا أذرہ الخ وذر یذر باب سمع سے ترک کے معنی میں ہے۔ذرنــــــــــی

والمکذبین اور **کلاّ لاوذر** بھی اسی سے ہے۔معنی یہ ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکوں گی۔ اذرہ کی ضمیر یا تو زوجہ کوراجع ہے۔شراح کہتے ہیں کہ پھر لا زائدہ ہے اور معنی یہ ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ اسے چھوڑ دوں گی۔یعنی اس کی باتیں بتانے کی صورت میں طلاق سے ڈرتی ہوں اور یا یہ ضمیر خبر زوج کوراجع ہے پھر معنی یہ ہوگا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی بات بتانے لگوں تو اسے چھوڑ نہیں سکوں گی۔کیونکہ اس کے عیوب بہت ہیں اور بیان کرنے سے ختم نہ ہوسکیں گے۔۔

ان أذكره الخ　ضمیر یا تو زوج کوراجع ہے یا خبر کو۔**أذكر عجره وبجره عجر عجرة** کی جمع ہے۔اور **بجر بجرة** کی جمع ہے۔انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ نے عجیب بیماریاں اور نقائص بھی پیدا کی ہیں۔چاند بھی بے داغ نہیں۔اس طرح انسانی جسم بھی عیوب سے پاک نہیں۔ان میں سے بعض عیوب نظر بھی آتی ہیں۔مثلاً بعض لوگوں کے گردنوں یا گلوں میں ورم ہوتا ہے گردن کے اس ظاہری ورم کو ہی دراصل عجرۃ کہتے ہیں۔لیکن کبھی بالعموم جسم کے کسی بھی حصہ میں گلٹی یا ورم ہو۔اس پر عجرۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔حاصل یہ کہ یہاں تمام جسمانی ظاہری عیوب عجر کے زمرے میں آئیں گی۔جبکہ بعض عیوب چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔قمیص شلوار وغیرہ سے مستور ہوتے ہیں۔مثلاً بعض لوگوں کے ناف غلط طریقے سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔اور ایک گانٹھ کی سی شکل اختیار کرتے ہیں۔جو تمام عمر بدنما دکھائی دیتے ہیں۔ناف، پیٹھ یا اس طرح کے دوسرے پوشیدہ مقامات پر مخفی عیوب بجرۃ کہلاتی ہیں۔بہر حال اس عورت نے اعتراف کیا کہ میرے خاوند میں ظاہری اور مخفی عیوب ہیں۔اگر بیان کرنے لگوں تو وہی بیان کروں گی۔

اکثر شراح(۱) کے نزدیک یہ عورت بھی اپنے خاوند کی عیب جوئی کر رہی ہے۔اس کی مذمت میں گویا کہتی ہے کہ میں تو اس کے عیوب شمار نہیں کر سکتی بیان کرونگی تو ڈر ہے کہ ختم ہونے کو نہ آئیں۔یہ بڑی داستان اور نہ ختم ہونے والا موضوع ہے کیونکہ عیوب بہت زیادہ ہیں۔اس تقدیر پر "**ان لا أذره**" میں لا زائدہ نہ ہوگا۔

---

(۱) بعض شراح نے اس عورت کے کلام کو مدح پر حمل کرنے کیلئے یہ کہا ہے کہ عجر اور بجر سے عیوب مراد نہیں بلکہ عجر وبجر "الامر کلہ" کے معنی میں ہے اور عورت کا مطلب یہ ہے کہ میرے خاوند میں بے انتہا خوبیاں ہیں بیان کرنے کی صورت میں ختم ہونے کو نہ آئیں گی۔اس لئے میں اس کی بات نہیں کرتی،لیکن شراح نے اس تاویل کو بعید کہا ہے(اصلاح الدین)

اور بعض کہتے ہیں کہ ان لا اذرہ میں حکمۃ لا زائدہ ہے اور عورت یہ کہنا چاہتی ہے کہ میں مجبور ہوں خاوند کو چھوڑ نہیں سکتی۔اس لئے حالات بیان نہیں کرتی۔ میری تو اس سے محبت ہے یا مجھے اس کی ضرورت ہے۔اگر چہ وہ غافل اور معیوب ہے۔اولاد،نفقہ،سکنی یا دل کے تقاضوں کی وجہ سے میں اسے نہ چھوڑ سکنے پر مجبور ہوں اور اگر اسے پتہ چلا کہ میں نے اس کے نقائص بیان کئے ہیں تو وہ مجھے طلاق دے دیگا۔لیکن اس تشریح پر یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اس عورت نے تو عہد اور قسم کی مخالفت کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت نے تو سب سے جامع طرز پر خاوند کے عیوب سے پردہ اٹھایا ہے۔اس کے ہاں تو اس کا زوج مجسمہ عیوب اور سراپا نقائص ہے۔ بقول اس کے اگر گنتی کی جائے تو بات طویل ہوجائے گی۔لہٰذا تصریح کے مقابلے میں اجمال وکنایہ کا سہارا لیا۔

<u>تیسری عورت کی رائے:</u> قالت الثالثة زوجی العشنق الخ عشنق دبلے پتلے اور لمبے تڑنگے شخص کو کہتے ہیں۔جو دبلا ہونے کی وجہ سے بدصورت دکھائی دیتا ہے۔اسے اردو میں لم ڈھینگ بھی کہا جاتا ہے۔اور اس طول کے ساتھ عموماً حماقت بھی ہوتی ہے۔جبکہ بعض شراح کہتے ہیں کہ عشنق بداخلاق آدمی کو کہتے ہیں۔جو عموماً بیوقوفی کی بناء پر ہوتی ہے۔اور اسی کا بیان بعد میں کر رہی ہے۔

ان أنطق اطلق یعنی اگر بولوں آہ وفریاد کروں تو طلاق دیتا ہے اور اگر چپ رہوں تو معلق رہ جاتی ہوں۔حاجات کا تقاضا نہ کروں تو بھوکی پیاسی مرتی ہوں۔رزق،نان ونفقہ اور کپڑا وغیرہ ضروریات زندگی کیلئے ترستی ہوں تو گویا بظاہر خاوند ہوتے ہوئے بھی میرا سہارا نہیں ہوتا نہ اس کی بیوی جیسی ہو۔ دوسرے کسی سے نکاح ممکن ہوتا ہے۔قرآن میں ہے ’’فتذروھا کالمعلقة ‘‘اس عورت نے بھی خاوند کی تنقیص کی ہے گویا وہ ایک اچھا خاوند نہیں ہے۔حماقت کے ساتھ ساتھ بیوی کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتا۔

<u>چوتھی عورت:</u> قالت الرابعة کلیل تھامة الخ تہامہ حجاز کا خاص علاقہ ہے جس میں مکہ بھی واقع ہے۔اس لئے نبی کریم ﷺ کو تہامی بھی کہتے ہیں۔یہ علاقہ نجد کی نسبت زیرین اور سمندر کے قریب واقع ہے۔اس علاقے کی رات بڑی خوشگوار ہوتی ہے۔رات کو معتدل ہوا چلتی ہے۔مچھر وغیرہ موذی چیزیں

بھی نہیں ہوتیں۔مکمل سکون اورراحت ہوتی ہے۔

لاحرّ و لاقرّ الخ حرّ گرمی اورقرّ فتح قاف کے ساتھ ٹھنڈک اورسردی کو کہتے ہیں۔یہ لیل کا بیان ہے یعنی ایسی معتدل رات کی طرح ہے جس میں گرمی ہونہ سردی۔اوریا یہ زوج کی توصیف ہےاورحرّ سے شدت اورقرّ سے طبعی برودت اوربیوی میں بے رغبتی مراد ہو۔تو گویا یہ کہنا چاہتی ہیں کہ مرا خاوند ہرلحاظ سے پسندیدہ خاطرمزاج کا مالک ہے۔

و لاسآمة باب سمع سے سَئم سآمۃً دل کی تنگی اوردل اچٹ جانے کو کہتے ہیں۔یہ عورت خاوند کی تعریف کرتی ہے کہ میرا خاوند حسین مزاج مقبول السیر ۃ اورمعتدل طبیعت کا مالک ہے۔اس کی صحبت سے کسی کوملال نہیں ہوتا۔خوش اخلاقی کی وجہ سےاس کی رفاقت اذیت سے پاک ہوتی ہے۔

<u>پانچویں کی معنی خیز باتیں:</u> **قالت الخامسة زوجی ان دخل فهد** فہدیا توسمع کے وزن پرفصل کا صیغہ ہے کہتے ہیں کہ فہدالرجل ای صار کالفہد یعنی آدمی چیتے جیسا بنا۔اوریہ بھی ممکن ہے کہ فعل کی بجائے یہ اسم ہو۔اورمبتدامحذوف کی خبرہو۔ترکیب یوں ہوگی زوجی ان دخل فہوفہد۔یعنی وہ گھرآتا ہےتو شیرہوتا ہے۔چیتا سست تکاہل اوربہت زیادہ سونے والا جانورہے لیکن حملے کے دوران اس کی تیز رفتاری اورپھرتی بھی ضرب المثل ہے۔نیز یہ درندوں میں سرکش بھی زیادہ ہے۔

اس عورت کے کلام میں تین جملے ہیں اورتینوں ذوالوجہین ہیں۔ان میں مدح کا پہلوبھی ہے۔اور مذمت کا پہلوبھی۔زیرنظرجملے کواگرمدح کے پہلو سے لیا جائے۔تو یہ عورت اپنے شوہرکی گرمجوشی اورجماع کے وقت پھرتی کوبیان کرتی ہے۔کہ ایسی حالت میں وہ چیتا بن جاتا ہے۔اسی طرح گھر میں کمی بیشی آجائے ان سے بھی تغافل اورتسامح برتتا ہے۔جیسے چیتا عموماً اپنی جگہ میں سویا ہوا ہوتا ہے۔اسی طرح وہ بھی گھرکے اندرسویارہتا ہے۔ایسانہیں کہ ٹکے ٹکے کا حساب لیکرگھروالوں کا ناک میں دم کررکھاہو۔

اوراگرمذمت کا پہلولیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میرے شوہرمیں بہیمیت کا اتنا غلبہ ہے کہ گھرآکر چیتے جیسا حملہ آورہوجاتا ہے۔کسی تحقیق وتفتیش کے بغیر مجھے پیٹنے لگتا ہے۔اوراگرحقوق زوجیت کی ادائیگی کا وقت ہوتو پھرچیتے کی طرح لمبی تان کرسوجاتا ہے۔گھروالوں سے تعلق اورمحبت میں کوئی گرمی نہیں ہےنہ ان

کے نان ونفقہ کی فکر ہوتی ہے بس سویا پڑا رہتا ہے۔

وان خرج اسد اَسد میں بھی فہد کی طرح دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ فعل ہو بمعنی صار کالاسد اور دوسرا یہ کہ اسم ہو۔مبتدا محذوف کی خبر ہو۔یعنی فہو اسد۔معنی یہ کہ گھر کے باہر شیر بن جاتا ہے۔اس جملے کے مراد میں بھی دو احتمال ہیں۔اول یہ کہ مدح پر محمول ہو تو معنی ہوگا کہ گھر میں شرافت اور چشم پوشی کے باوجود باہر جاکر شیر کی طرح جرأت وشجاعت کی داد حاصل کرتا رہتا ہے۔کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔شیر کی طرح گھر کے باہر ہی بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے۔اور اگر مذمت کی جہت لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ گھر میں چیتے جیسا سست اور باہر شیر کی طرح بہادر بن جاتا ہے۔لوگوں کے ساتھ غضب اور تجبّر سے پیش آتا ہے اور حماقت کی بناء پر انجام کی پرواہ نہیں کرتا۔

ولایسال عما عهد عہد یعہد سمع کے باب سے علم کے معنی میں آتا ہے یعنی جس امر کا اس کو علم ہو۔اس کے بارے میں کسی سے دریافت نہیں کرتا۔اس جملے میں بھی دو جہت ہیں۔مدح کی جہت لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میرا شوہر وسیع الظرف اور کریم ہے۔گھر میں اخراجات زیادہ ہوں۔یا کوئی نقصان ہوگیا ہو اسے پتہ چلے تو بھی احتساب اور نکتہ چینی سے کام نہیں لیتا۔گویا گھر کے داخلی امور میں وزیر داخلہ یعنی بیوی کو اختیارات سپرد کی ہیں۔

مذمت کا پہلو لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرا شوہر خانگی امور میں باوجود علم کے بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہے یہ نہیں پوچھتا کہ گھر والوں پر کیا گزر رہی ہے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ بلکہ تغافل وتکاسل کی عادت ہے۔

<u>چھٹی کی ادیبانہ باتیں:</u> تینوں جملوں میں مدح اور مذمت دونوں پہلوؤں کے باوجود بعض شراح نے مدح کے پہلو کو ترجیح دی ہے اور اسے اقرب کہا ہے۔

قالت السادسة زوجی ان اکل لفّ لِفَ یلفّ لفًا(باب سمع) سمیٹنے اور لپیٹنے کو کہتے ہیں۔لفافہ بھی اسی سے ہے اور لفیف کا مادہ بھی یہی ہے۔یہاں مقصود یہ ہے کہ مختلف قسم کے کھانوں کو اکٹھا کھا جاتا ہے کثیر الاکل ہے۔شف یہ لفظ شین اور سین دونوں کے ساتھ مروی ہے۔اشف شین کے ساتھ ہو تو

اس کا معنی ہے''شرب الشفافة'' شفافہ اس تھوڑے سے پانی کو کہتے ہیں جو پینے کے بعد برتن میں رہ جاتا ہے تو گویا مطلب یہ ہے کہ پانی وغیرہ آخری قطرے تک پی جاتا ہے۔ برتن میں کچھ رہنے نہیں دیتا۔ اور اگر سین کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ بہت زیادہ پی لینے کے باوجود سیر نہیں ہوتا مزید تقاضا بھی کرتا ہے۔

وان اضطجع التفّ الخ التفّ لفّ یلفّ سے افتعال کا صیغہ ہے جو سمٹ جانے اور جمع ہونے کے معنی میں مستعمل ہے۔

ولایولج الکفّ ۔یولج ولوج سے باب افعال کے مضارع کا صیغہ ہے۔ داخل کرنے کے معنی میں ہے۔ اور کف کا معنی ہے منع کرنا۔ اور ہاتھ چونکہ دوسری چیزوں کے منع کرنے اور دوسری اشیاء سے حفاظت کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی کف کہتے ہیں۔

لیعلم البث بث پراگندہ حالی اور پریشانی کو کہتے ہیں نیز بیماری پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ ''انّما اشکو بثیّ وحزنی إلیٰ اللّٰہ''** جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ عورت عام شراح کے نزدیک شوہر کی مذمت بیان کرتی ہے لیکن بعض کے ہاں اس کے بیان میں تعریف کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

اول الذکر صورت میں اس عورت کے مطابق اس کا خاوند پیٹو ہے۔ دسترخوان پر جو کچھ ملے اسے کھا جاتا ہے بچوں اور بیوی کیلئے کچھ نہیں چھوڑتا۔ اور اگر پیتا ہے تو ہر برتن کو خالی کر کے چھوڑتا ہے سب کچھ پی جاتا ہے خواہ وہ شراب ہو، خواہ وہ دودھ ہو، لسی ہو یا کوئی اور پینے کی چیز کچھ نہیں چھوڑتا۔ اور سوتے وقت سمٹا کر سو جاتا ہے کسی کام کا نہیں۔ بیوی کا حق ادا نہیں کرتا۔ اس کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا تاکہ اس کی بے چینی، پریشانی، بدحالی اور تشنگی کا اسے پتہ چل سکے۔ اس کی بے چینی اور محبت و پیار کی طلب کا اسے احساس نہیں ہوتا نہ اس کی بیماری میں اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق یہ مذمت کا پہلو ہوا۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ میرا خاوند نہایت سخی مالدار اور باوقار آدمی ہے۔ ساتھ ساتھ عظیم اخلاق کا مالک ہے۔ گھر کی چھوٹی موٹی باتوں میں نیز بیوی بچوں کے معاملات سے لاتعلق رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ کھانے کا معاملہ ہو تو ایک قسم کے کھانے پر اکتفاء نہیں کرتا۔ بلکہ مختلف انواع کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے ہیں۔ اور وہ کھا پی کر خوب سیر ہو جاتا ہے۔ افلاس زدہ آدمی کی طرح بچت کا عادی

نہیں۔ اور سوتا ہے تو بے فکری کی نیند میں سمٹ کر سوجاتا ہے کسی بات کا غم نہیں ہوتا۔ دشمنوں کا خوف نہیں ہوتا کوئی پریشانی اسے نہیں ستاتی۔ ساتھ ساتھ یہ کہ خامیوں کی تفتیش نہیں کرتا تاکہ پریشانی کی کوئی بات معلوم کرلے۔ نکتہ چین اور شکی مزاج شخص ہر وقت گھر میں جھگڑتا رہتا ہے۔ آنے جانے والوں کے بارے میں پوچھتا ہے۔ خرچ واخراجات کا حساب لیتا ہے۔ اس طرح وہ گھر کے اندر بہت سی کمزوریاں پا کر خواہ مخواہ پریشان رہتا ہے۔ اس کے برعکس یہ شخص اپنی بیوی کے بیان کے مطابق اس طرح کا وہمی مزاج نہیں بلکہ بیوی پر اعتماد ہونے کے سبب بات بات پر نہیں بگڑتا۔ نہ تحقیق وتفتیش اس کی عادت ہے مگر عام شراح نے مذمت کی جہت کو ترجیح دی ہے۔

<u>ساتویں عورت کی دوٹوک باتیں:</u> **قالت السابعة زوجی عیایا ء اوقال غیایاء** عیایاء عیؔ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ مادہ سمع کے باب سے تھکاوٹ کے معنی میں مستعمل ہے۔ قرآن مجید میں ہے **ولم یعیی بخلقھن.** یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا کرنے سے تھکا نہیں۔ لہٰذا عیایاء وہ شخص ہوگا جس میں بہت زیادہ درماندگی اور سستی ہے۔ بعض شراح نے اس کا ترجمہ عنین یعنی نامرد سے کیا ہے کیونکہ عیایاء اصل میں اس اونٹ کو کہتے ہیں جو کہ اونٹنی کے ساتھ جفتی پر قادر نہ ہو۔

جبکہ غیایاء غیؔ اور غوایۃ سے ہے۔ جو کہ گمراہی، ضلالت اور جہل کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس لئے غیایاء وہ گمراہ اور جاہل ہوگا جو ہر جگہ نامراد ہے۔ یا یہ کلمہ غیایۃ سے ہے جس کا معنی اندھیرا ہے یعنی وہ اندھیرے میں ہے اور جس مقصد کی طرف بڑھے ناکامی کا منہ دیکھے۔ طباقاء ایک چیز کو دوسری چیز پر رکھنے کو طبق کہتے ہیں۔ اسی سے تطبیق مطابقۃ اور انطباق ہے تو طباقاء اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نہایت سرد مہر ہو۔ چستی نام کی نہ ہو جہاں بیٹھے گویا اس جگہ سے چپک گیا ہو بعض شراح کے مطابق طباقاء کا معنی ہے ''**الذی ینطبق علیه الامور**'' یعنی وہ شخص جس پر امور معاملات میں ابہام آئے۔ کوئی مشکل نہ سمجھا سکے۔ بعض شراح نے طباقاء اس شخص کو کہا ہے جو بھاری ہونے کی وجہ سے جماع کے وقت بیوی سے چپک جائے اور اس پر بوجھ بن جائے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جمل طباق اس اونٹ کو کہتے ہیں جو جفتی پر قادر نہ ہو۔ بعض نے لکھا ہے کہ طباقاء وہ شخص ہے جو بات کرنے سے عاجز ہو گویا اس کے ہونٹ آپس میں چپک گئے ہیں۔

کل داء له داء ہر بیماری اس کی بیماری ہے یعنی متعدد بیماریوں کا مریض ہے۔ شجّکِ الخ شج زخم اور خصوصاً چہرے اور سر کے زخم کو کہتے ہیں اور فَـلَّـکَ فلول سے ہے جو کہ کُند کرنے کو کہتے ہیں تلوار، چھری اور چاقو وغیرہ کی دھار ٹوٹنے کو فلول کہتے ہیں اور انسان کی نسبت اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ہڈی یا کوئی عضو توڑ دیتا ہے۔

جمع کلاّ لک یعنی کلاّ من الشج و الفلّ. یہ عورت بھی خاوند کی بھرپور مذمت کرتی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ میرا خاوند ہر وقت تھکا ماندہ، عنین سست اور کاہل ہوتا ہے یا بہت جاہل اور گمراہ ہے۔ اچھے برے کی تمیز نہیں کرتا اس پر مستزاد یہ کہ طباقاء ہے جہاں کہیں پڑا رہا تو اٹھنے اور سرکنے کا نام نہیں لیتا۔ گویا جسمانی لحاظ سے بھاری بھرکم اور غیر مناسب ہے۔ یا معنی یہ کہ احمق ہے ہر قسم کے معاملات اس پر پیچیدہ اور الجھے رہتے ہیں۔ معمولی مسئلہ کا سلجھانا بھی اس کے لئے مشکل اور ناقابل حل ہوتا ہے۔ نیز طباقاء کا یہ معنی بھی محتمل ہے کہ ازدواجی تعلق کے وقت بیوی پر بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے بوجھ بنتا ہے۔ جسمانی طور پر بیماریوں اور امراض وعلل کا مجسمہ ہے بدخلق اتنا کہ اگر بات کرو تو سر پھوڑ دے یا ہڈیاں توڑ دے۔ یا دونوں تکلیف پہنچادے۔

آٹھویں عورت: قالت الشامنة اس عورت کا نام ناشرہ بنت اوس بتایا جاتا ہے۔ زوجی المس مس ارنب مس اور لمس دونوں کا ایک معنی ہے ہاتھ لگانے کو کہتے ہیں اور ارنب خرگوش کو کہتے ہیں جو کہ بہت نازک وملائم جانور ہے۔ یہاں تقدیر عبارت یوں ہوگی ''له مسّ کمسّ ارنب'' یا ''ومسّه کمسّ ارنب'' اس صورت میں المس کا الف لام مضاف الیہ سے عوض ہے اور اداۃ التشبیہ محذوف ہونے کی بنا پر تشبیہ بلیغ ہے۔

والریح ریح زرنب یعنی ''له ریح کریح زرنب'' یا ''وریحه کریح زرنب'' زرنب بہت خوشبودار بوٹی ہے اس سے مہک اٹھتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس سے زعفران مراد ہے یہ عورت اپنے خاوند کی مدح کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظاہری اور معنوی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے میرے خاوند کو بہت اچھے صفات سے نوازا ہے۔ حسن وجمال اور ملائمت میں گویا وہ خرگوش ہے۔ یعنی خوش

اندام اور نازک بدن ہے جبکہ اس کا کلام، وضع قطع اور اخلاق زرنب کی مہک جیسی ہیں۔اور اس کے ساتھ ساتھ مقبول صحبت ومعاشرت ہے۔بعض شراح نے لکھا ہے کہ ریح زرنب سے تشبیہ شہرت اور نیک نامی سے کنایہ ہے۔اس کے برعکس بعض شراح نے اس عبارت کو مذمت پر حمل کیا ہے گویا یہ عورت اپنے شوہر کو کمزور، مردانی سے محروم اور زنانہ صفات کا مالک بتاتی ہے۔

نویں کی مدحت انگیز رائے: وقالت التاسعة زوجی رفیع العماد عماد بڑے ستون کو کہتے ہیں جس پر عمارت قائم ہو۔اس کی جمع عمد اور اعمد ہے۔معنی یہ کہ وہ بلند ستونوں والا ہے۔کثیــــر الــرمــاد رماد راکھ کو کہتے ہیں۔اس کے گھر میں راکھ زیادہ ہوتی ہے۔کیونکہ مہمانوں کی کثرت ہوتی ہے۔ طـویـل الـنجاد نجاد تلوار کی کاٹھی کو کہتے ہیں یہ دراصل رفعتِ قد کیلئے استعارہ ہے کیونکہ تلوار کی کھائی تب طویل ہوتی ہے جب آدمی خوددراز قد ہوتا ہے۔علاوہ ازیں لمبی تلواروں کا استعمال امیر، سردار اور جنگجو وبہادر لوگ کرتے ہیں۔

قـریـب البیـت مـن النـاد یہ اصل میں نادی ہے۔نادی، نادیہ اور ندوہ تینوں مجلس کے معنی میں مستعمل ہیں۔دار الندوہ مقام مشاورت واجتماع کو کہتے ہیں یہ یا تو ندیٰ یندو ندوا سے ہے۔جس کے معنی جمع ہونا اور مجلس میں حاضر ہونا ہیں۔یا یہ ندی یندی ندیٰ ونداوۃً سے ہے۔جس کے معنی تر اور گیلا ہونا ہے۔ چونکہ مجلسوں اور اجتماع گاہوں میں عموماً خورد ونوش اور شراب کا دور چلتا رہتا تھا اس لئے وہاں زمین نم آلود اور گیلی رہتی تھی۔اسی سے مقام اجتماع اور مجالس پر نادی کا اطلاق ہونے لگا(۱)۔اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ قوم کے دار المشاورت اسمبلی اور پارلیمنٹ کے قریب ہی میرے خاوند کا گھر ہے جو کہ سیادۃ وحکومت کی علامت ہے۔

یہ عورت بھی خاوند کی مدح کرتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند بہت امیر وسردار ہے اور بلند ستونوں والے بڑی عمارتوں کا مالک ہے۔یا معنی یہ کہ بلند جگہ اور منفرد مقام پر اس کا محل ہے۔اس جملے میں

(۱)صاحب جلالین نے ایک وجہ تسمیہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ "لانـه ینتدیٔ فیه" یعنی مجلس میں چونکہ ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔اور آوازیں دی جاتی ہیں۔لہذا اسے نادی کہا جانے لگا۔ولیراجع الی جلالین سورۃ علق.(اصلاح الدین)

عظمت اور خاندانی وجاہت کو بھی اشارہ ہے۔ کیونکہ عرب لوگ حسب ونسب کی شرافت اور شہرت سے تعبیر کرتے ہوئے عمود کو کنایۃً استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ فرزدق کہتا ہے کہ

إنّ الذی سمک السماء بنی لنا بیتا دعائمہُ اعزّ واطول

ترجمہ: اس ذات نے جس نے آسمان کو بلندی عطا کی ہے ہمارے لیے (مجد وشرف کا) ایسا گھر بنایا ہے جس کے ستون مضبوط اور بلند ہیں۔

اس عورت کے بیان کے مطابق مہمانوں کی کثرت کے باعث ہر وقت کھانا پکانے کے لئے آگ جلتی رہتی ہے جس کے سبب راکھ کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں عرب کے سخی لوگوں کی یہ بھی عادت تھی کہ رات کو اونچی جگہ آگ روشن کرتے تھے تاکہ مسافر لوگ اس طرف آئیں اور وہ ان کی ضیافت کریں۔ اس وجہ سے بھی راکھ کی کثرت ہوتی تھی۔ طویل قد وقامت اور جسمانی ساخت کے لحاظ سے ممتاز، بہادر اور شجاع ہے۔ نیز یہ لفظ اقتدار اور سلطنۃ سے بھی کنایہ ہوسکتا ہے یعنی وہ لمبی تلوار والا حاکم ہے جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ فلاں کا ہاتھ لمبا ہے یعنی ہر جگہ رسائی ہے۔ مجلس اور دارالمشورہ کے قریب رہتا ہے۔ جو کہ سربراہی اور سرداری کی علامت ہے کیونکہ اس کے مشورہ کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ گویا اس بات کو اشارہ ہے کہ سردار اور ذی رائے ہے۔ اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے اور یہ معنی بھی محتمل ہے کہ مجلس کے قریب گھر ہونے کی وجہ سے تمام مہمانوں کی ضیافت اس کو کرنی پڑتی ہے لیکن سخاوت کا علم چونکہ پہلے ''کثیر الرماد'' سے ہو چکا ہے۔ لہٰذا پہلا معنی لینا افضل ہے۔

<u>دسویں کی مدح سرائی:</u> قالت العاشرۃ زوجی مالک مالک اس شخص یعنی دسویں عورت کے خاوند کا نام ہے وما مالک الخ یہ اور اس قسم کے دیگر استفہامات تعظیم وتفخیم کیلئے ہوتے ہیں۔ یعنی تمہیں کیا پتہ ہے کہ مالک کیا چیز ہے۔ جیسے القارعۃ ما القارعۃ اور الحاقۃ ما الحاقۃ میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم اس کی شان وشوکت اور عظمت کو کیا جانتے ہو۔ مالک خیر من ذالک مالک ان مذکورہ خاوندوں میں سب سے بہتر ہے۔ یا پھر ذالک میں اشارہ صرف نویں عورت کے خاوند کو ہے کیونکہ اس سے قبل تو بعض خاوندوں کی مذمت کی گئی تھی۔ ان سے افضلیت تو واضح ہے۔ لہٰذا صرف زوج تاسع کو اشارہ ہوگا۔ یعنی

میرا خاوند اس زوج تاسع سے اچھا ہے(۱)۔ له ابلٌ کثیرات المبارک الخ ۔مبارک مبرک کی جمع ہے جو بروک سے ظرف ہے ۔اور سرح یسرح سے ظرف ہے۔ جس کے معنی ہیں آزاد چھوڑنا۔ جانوروں کو چراگاہ میں چرنے کیلئے آزاد چھوڑنے کو سرح اور چراگاہ کو مسرح کہتے ہیں۔

تو مطلب یہ ہوا کہ ان اونٹوں کا مبارک کے ساتھ تعلق مسارح کے ساتھ تعلق کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اذا سمعن صوت المزهر الخ مزہر چنگ ورباب اور ساز کے آلات کو کہتے ہیں۔ یا پھر ان میں سے ایک خاص قسم کے رباب کو کہتے ہیں۔ لیکن مراد یہی آلات طرب ہیں۔ اسی طرح مزہر کا اطلاق غلیل کے مانند ایک لکڑی پر بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے آگ جلایا کرتے تھے وہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ ساز کی آواز یا آتش دان میں آگ جلانے کی آواز سن کر وہ اونٹنیاں یقین کر لیتی ہیں۔ کہ ان کی ہلاکت کا وقت آن پہنچا ہے۔

یہ عورت بھی خاوند کی مدح کرتی ہے۔ اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند سخی اور مالدار ہے۔ اس کے بہت اونٹ ہیں۔ جنہیں وہ چراگاہ نہیں بھیجتا بلکہ یہیں باندے رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ گھر میں ان کو پالنے کی خوب استطاعت رکھتا ہے۔ صحرائی چراگاہوں میں چرانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اور اس لئے بھی کہ کسی وقت بھی ضرورت پڑسکتی ہے تو پکڑ کر ذبح کرنے میں آسانی ہو۔ اور مہمانوں کو دودھ پیش کرنے کیلئے بھی جانور ہر وقت گھر پر موجود ہوں۔

چراگاہوں میں اس شخص کے اونٹ چرتے رہتے ہیں جس کے مہمان نہ ہوں۔ اور ذبح کرنے کا موقع نہ آئے بلکہ تجارت اور کمائی کیلئے اونٹ رکھتا ہو۔ مالک کی سخاوت کی بناء پر اونٹ بھی اتنا سمجھ چکے ہیں کہ ساز کی تھوڑی سی آواز سن لیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ ذبح کئے جائینگے۔ گویا کثرت تجربہ کی وجہ سے ان کو اس بات کا شعور ہو چکا ہے۔ ساز کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ سرداروں کے ہاں مہمان آتے تو مجالس کو نغموں، چنگ ورباب اور مجروں سے خوب گرم کر لیتے تھے۔ وہ اپنی داشتہ لونڈیوں کو مہمانوں کی خوشی کی خاطر ہی

---

(۱) یہ بھی ممکن ہے کہ ذالک میں اشارہ بعد میں آنے والی توصیف کو ہوتو عبارت کی تاویل یوں ہوگی کہ "مالک خیر من ذالک الذی اقوله فی حقه و سنذکره بعد" مطلب یہ ہوگا کہ بعد میں میں جو تعریف کرنے والی ہوں وہ بہت کم ہے۔ وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وقد اشار الی ذالک کثیر من الشراح .(اصلاح الدین)

رقص وسرود کی تعلیم دیتے تھے۔اور دیگر طریقوں کے علاوہ اس لحاظ سے بھی ان کا اکرام کرتے تھے۔ بہر حال ساز کی آواز مہمانوں کی آمد اونٹوں کی ہلاکت کی علامت ہوتی تھی۔ یا پھر مزہر سے آتش دان مراد ہے۔جس میں آگ جلنے کی آواز کان میں پڑتی۔اور آگ جلنے لگتی تو اونٹوں کو شعور ہو جاتا تھا کہ اب ہم میں سے کوئی تو ذبح کیا جانے والا ہے۔

گیارویں عورت حدیث کی محورامّ زرع: قالت الحادیة عشرۃ یہ آخری عورت ام زرع ہے اور یہ بھی خاوند کی مدح کرتی ہے۔زوجی أبوزرع الخ اس خاوند کا نام ابوزرع ہے اور تفخیم وتجیل کیلئے اس عورت نے بھی وما ابوزرع کا استفہام کیا ہے۔اس کنیت میں بھی ثروت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ زرع فصل کو کہتے ہیں اور اس شخص کی بھی زمینیں، جائداداور فصلیں تھیں یا یہ معنی کہ یہ شخص کثیر الاولا دتھا۔اور اولاد بھی ایک قسم کی فصل ہے۔تو ممکن ہے اس کنیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہو۔

اناس من حُلیّ اذنیّ اناس ینوس اناسۃ حرکت دینے اور ہلانے کے معنی میں ہے۔یہ نوس سے ہے۔جس کے معنی بھاری چیز کو ہلانے کے ہیں جسطرح کہ کنویں میں بھری بالٹی کو حرکت دی جاتی ہے۔اسے نوس کہتے ہیں اور حُلِیّ حاء کے ضم اور لاء مکسور کے ساتھ حَلْیٌ (حاء مفتوحہ اور سکون لام) کی جمع ہے جو زیور کو کہتے ہیں۔اُذُنَیّ اَنَاسَ کا مفعول بہ ہے یعنی اس نے بھاری زیور میرے کانوں کیلئے بنوا کر ان کو ہلا کے رکھدیا۔تو گویا وہ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ مجھ پر مہربان بھی تھا۔وملأ من شحم الخ یعنی میں گھر سے آئی تھی تو لاغری تھی لیکن ان کے ہاں ایسے کھانے ملے کہ میرے بازو چربی سے بھر گئے۔

عضدیّ عضد کہنی کے اوپر ہاتھ کو کہتے ہیں۔یہاں تثنیہ متکلم کی یاء کی طرف مضاف ہے اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بازوؤں کا ذکر خصوصی طور پر اس لئے کیا ہے کہ ان پر سب سے آخر میں گوشت اور چربی آتی ہے اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ میں ساری چربی سے بھر گئی حتیٰ کہ بازو بھی بھر گئے۔

وبجّحنی، بجح فتح کے باب سے فرح اور عظم دونوں کے معنی میں آتا ہے۔یہاں پر تفضیل کا صیغہ مستعمل ہے۔جس کا معنی یہ ہے فرحنی یا عظمنی یعنی اس خاوند نے مجھے بے حد خوش کیا۔یا میری تعظیم کی۔اور قدر ومنزلت بڑھادی۔

حتی بجحت الیٰ نفسی یعنی حتیٰ کہ میں خود پر عاشق ہوگئی۔خود پسندی اور غرور کے سبب قریب تھا کہ اپنی حقیقت بھول جاؤں یا اس جملے کا معنی یہ ہوگا کہ **عظّمنی فعظمت الی نفسی یا فعظمت الیَّ نفسی۔**

وجدنی فی اھل غنیمۃ الخ غُنیمۃ غنم کی تصغیر ہے غنم بھیڑ بکریوں کے گلے کو کہتے ہیں لہذا غُنیمۃ چند بھیڑوں یا بکریوں کو کہا جائیگا۔**بشق** شق یا شین کے فتح کے ساتھ ناحیہ اور طرف کو کہتے ہیں یعنی دوردراز، بادیہ وصحرا کے ایک غریب گھرانے میں مجھے پایا۔یا یہ ایک مخصوص جگہ کا نام بھی ہوسکتا ہے۔اسی طرح شق شین کے کسرہ کے ساتھ مشقت وتکلیف کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔جیسے قرآن میں ہے کہ **ولم تکونوا بالغیۃ الّا بشق الانفس.** دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اس نے ایک غریب گھرانے میں پایا اور پسند آنے پر بیوی بنایا۔**اھل صھیل** صَھیل گھوڑوں کی آواز کو کہتے ہیں۔**واطیت** اطیت اصوات الابل کو کہتے ہیں یعنی وہاں سے اٹھا کر ایسے گھر میں مجھے لایا۔ جہاں گھوڑے اور اونٹ کثرت سے تھے۔ادھر گھوڑے ہنہناتے تو ادھر اونٹ بلبلاتے جاتے تھے۔**دائس و منق** دائس داس یدوس دوس سے اسم فاعل ہے جو کہ روندنے کو کہتے ہیں۔خصوصاً غلہ صاف کرنے کیلئے فصل اگاھنے کو کہتے ہیں۔اور منقٍ روایت کے مطابق تنقیہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔غلہ کو بھوسہ سے صاف کرنے والے جانور یا چھلنی کے ذریعے صاف کرنے والے غلام مراد ہیں۔تو معنی یہ ہوا کہ میں ایسے گھر میں آئی جہاں فصل گاہنے کیلئے بیل اور صاف کرنے کیلئے غلام اور جانور موجود تھے۔گویا یہ گھر بہت مالدار اور زمینداری کا گھر تھا۔صاف ستھرا غلہ کھانے کو ملتا تھا۔اس کے علاوہ **نق** جب فعل مستعمل ہو تو اس کا معنی آواز نکالنا بھی ہے کہتے ہیں۔**نقّت الدجاجۃ** مرغی نے آواز لگائی گویا کہ اس گھر میں اس کام کیلئے بھی نوکر چاکر موجود تھے کہ فصلوں سے مرغیوں اور دیگر نقصان دہ پرندوں کو بھگائیں یا ذبح کرنے کیلئے مرغیوں کو پکڑیں جس سے مرغیاں شور مچائیں۔الغرض بھرا گھر تھا۔ٹھاٹ بھاٹ اور امیرانہ طرز زندگی میں میں ایک غریب گھرانے سے منتقل ہوگئی۔

فعندہ اقول فلا أقبّح الخ تقبیح سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔جس کے معنی ہیں کسی کی قباحت بیان کرنا یعنی اگر چہ ایک دیہاتی عورت ہونے کی وجہ سے میری باتیں نامناسب ضرور ہوتی تھیں مگر

وہ لوگ محبت سے پیش آ کر میری سب باتوں کو قبول کر لیتے تھے۔ مجھے برا بھلا نہیں کہا جاتا تھا۔ وارقد فاتصّبح تصّبح کے معنی ہیں صبح دن چڑھے تک نیند کرنا۔ تو معنی یہ ہوا کہ میں سو کر صبح کو دیر سے اٹھتی تھی۔ اور خاوند مجھے نیند سے نہیں جگاتا تھا کیونکہ محبت کی وجہ وہ مجھ سے خدمت نہیں لیتا تھا۔ نیز خدمت کے لئے دیگر نوکر چاکر موجود ہوتے تھے۔

اشرب فاتقمح بخاری اور مسلم کی روایت میں فاتح آیا ہے۔ قمح اور قح دونوں فتح کے باب سے آتے ہیں۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے جب پیتے پیتے آدمی کسی مشروب سے سیر ہو جاتا ہے۔ پھر بھی بادل ناخواستہ وہی مشروب پینے لگتا ہے۔ اسی کو قمح الرجل اور قنح کہتے ہیں اور باب تفعل سے ہو کر بھی دونوں کا مطلب لغت کی کتابوں نے یہ لکھا ہے کہ ''تکارہ علی الشّربِ بعد الرّی'' یعنی پانی سے سیر ہونے کے بعد بھی بادل ناخواستہ پیتا رہا۔ یہاں پر نیند اور مشروبات میں توسع اور کثرت کا بیان ہے جیسا کہ کھانوں میں توسع کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

یہاں تک ام زرع نے جو کچھ کہا ہے اس میں اپنے خاوند کی محبت مہربانیاں اور عنایت والتفات کا تذکرہ ہے وہ کہتی ہیں کہ ابوزرع نے مجھے اتنے زیور پہنائے کہ کان جھومنے لگ جاتے کھانوں سے خوب فربہ ہوگئی تھی۔ غریب گھرانے سے اٹھا کر عیاشی کے گھر لے آیا جہاں ہر نعمت موجود تھی اور ہر لحاظ سے مجھ پر فراوانی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ میری ناز برداری بھی کی جاتی تھی۔ خاوند کی چہیتی ہونے کی وجہ سے میری ہر بات قبول کی جاتی تھی۔ آرام اور نیند میں خلل اندازی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ نہ مجھے ڈانٹا جاتا تھا اور سوتی تو بے فکر سوتی رہتی تھی کوئی جگاتا بھی نہ تھا۔ کیونکہ گھر بار، غلوں اور جانوروں کیلئے نوکر چاکر موجود تھے اور کھانے پینے کو اتنا ملتا کہ خوب پیٹ بھر کر کھاتی پیتی تھی۔ حتیٰ کہ دل بھر جاتا تھا۔ امّ أبی زرع الخ گھر میں ایک عورت کیلئے اس کا خاوند ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا تعلق خاوند کی ماں، اس کی بہن بھائیوں اور اگر اس کی دوسری شادی یا اس کی اولاد ہو ان سے بھی ہوتا ہے۔ اس طرح گھر کی کیفیت سے بھی اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی خاوند مہربان اور محبت کرنیوالا ہوتا ہے لیکن ساس اور نندیں جینا حرام کر دیتی ہیں۔ اب وہ اس گھر کی ہر طرح سے توصیف کرتی ہے کہ صرف ابوزرع ہی مہربان نہ تھا بلکہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است کے مصداق سب اچھے تھے۔ چنانچہ پہلے وہ اپنی ساس کا ذکر کرتی ہے کہ وہ بھی مہربان اور عظیم عورت تھی۔

فما ام ابی زرع یہ استفہام تعظیم کیلئے ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔عکو مھا رداح الخ عکم کی جمع ہے جو طعام اور کھانے کے برتن کو کہتے ہیں۔مختلف قسم کی برتنوں میں کھانے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں۔کسی میں آٹا، کسی میں چنا دال کسی بھی آلو ٹماٹر وغیرہ۔تو ان اوعیۃ الطعام کو عکوم کہتے ہیں۔رداح راء کی فتحہ کے ساتھ صفت کا صیغہ ہے مفرد ہے مگر جمع کی خبر اس لئے واقع ہوا ہے کہ مبتداء میں کل عکم مراد ہے۔علاوہ ازیں غیر ذوی العقول کی جمع سے خبر اور صفت مفرد بھی واقع ہوتی ہے جیسے لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ۔ردح خوب بھرنے لب ریز ہونے اور ساتھ ساتھ وسعت وعظیم کے معنی کا بھی حامل ہے۔امرأۃ رَدَاحٌ ای عظیمۃ الاکفال والا لیتین یعنی اس عورت کو کہتے ہیں جس کے کولہے اور سرین پُر گوشت اور خوب بھرے ہوئے ہوں۔

وبیتھا فساح فاء مفتوحہ اور مضمومہ دونوں کے ساتھ مروی ہے۔فسح کشادگی اور وسعت کو کہتے ہیں۔اور ایک روایت میں فیاح آتا ہے۔اسکا معنی بھی فراخی اور وسعت ہے چونکہ گھر کی مالکن عموماً ساس ہوتی ہے۔کھانوں وغیرہ پر وہ عموماً اپنا اختیار جتاتی ہے۔اور اسی وجہ سے اکثر بہو کو شکایت بھی ہوتی ہے لیکن یہ عورت ساس کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ کنجوس نہ تھی۔اس کے کھانے کے برتن بڑے وسیع اور خوب بھرے ہوئے تھے۔گھر بھی کشادہ تھا۔

ابن ابی زرع خاوند کے بیٹے کی تعریف کرتی ہے۔مضجعہ کمسل شطبہ مضجع بستر ے اور خصوصاً اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان کا پہلو بستر ے سے ملتا ہے اور مسل سلّ یسل سے ہے۔جس کے معنی باہر نکالنے کے ہیں۔مسل یہاں مسلول کے معنی میں مستعمل ہے۔اور شطبہ شین کے فتحہ کے ساتھ شطب یشطب(نصر) سے اسم ہے جو طولاً کاٹنے کو کہتے ہیں۔شطبة اور شطیبة "قطعة تقطع طولا" یعنی کسی چیز کا وہ قطعہ جو لمبائی میں کاٹا جائے۔اس کا اطلاق کھجور کی شاخ سے جدا کئے جانے والے لمبے ٹکڑے پر بھی ہوتا ہے۔اور کھجور کے پتوں پر بھی جو کہ شاخ سے الگ کردی جائیں۔جبکہ تلوار کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔مسل شطبۃ میں صفت کی اضافت موصوف کو ہوئی ہے۔لہٰذا یہ شطبۃ مسلولۃ کے معنی میں ہے۔اور مراد یہ ہے کہ کھجور کی شاخ سے جدا کی جانیوالی ٹہنی کی طرح باریک اور تھوڑی سی جگہ اس کا بستر ہ ہے۔موٹا اور بھاری بھرکم نہیں ہے کہ سارے بستر کو بھرلے۔اور عربوں کے ہاں مردوں

میں یہ صفت ممدوح ہے۔وتشبعــه ذراع جـفرة تشبع اشباع سے مضارع کا صیغہ ہے بھرنے اور سیر کردینے کو کہتے ہیں۔ذراع جانور کے اگلے پاؤں کو کہتے ہیں اور جفرہ بکری کے بچے لیلے کو کہتے ہیں جو ماں کا دودھ پینا چھوڑ دے۔بعض شراح کے ہاں جب چار ماہ کا ہوجائے تو اسے جفرہ کہتے ہیں غلامؑ جفرؓ اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کے پہلو بڑے ہوجائیں۔یہاں مقصود یہ ہے کہ وہ کم کھانے والا ہے۔لیلے کے صرف ایک ہاتھ سے سیر ہوجاتا ہے۔جس پر گوشت بھی کم ہوتا ہے۔اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابوزرع کا بیٹا چاک وچوبند نوجوان تھا۔چست اور پھرتیلا تھا کھانا بھی کم کھاتا تھا۔زیادہ کھانا بیداری اور چستی کو ختم کرتا ہے اور سستی پیدا کرتا ہے۔علاوہ ازیں دولتمندی اور تعیش کو بھی اشارہ ہے کہ وہ نفیس اور قیمتی کھانا کھاتا ہے۔

بنت أبی زرع الخ دوسری بیوی سے ابوزرع کی بیٹی کی تعریف کرتی ہے۔فمابنت ابی زرع یہاں بھی استفہام تعظیم کیلئے ہے یعنی وہ بھی عظیم اور شریف عورت تھی۔طوع أبیھاوطوع أمّھا الخ طوع مصدر ہے مبالغۃً فاعل کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔جیسے زید عدل زید عادل کے معنی میں ہے۔یہاں مطلب یہ ہوگا کہ مطیعۃٌ لوالدیھا کثیرۃ الاطاعۃ۔گویا والدین کے بارے میں سراپا اطاعت تھی نافرمان نہ تھی۔اور اسی مبالغہ کیلئے والدہ کے ساتھ دوبارہ طوع کا لفظ لائی ہے ورنہ ابیھا پر عطف کرنا بھی کافی تھا۔وملأ کساء ھا ملا یملا سے مصدر ہے۔جس کے معنی بھرنے کے ہوتے ہیں۔یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی مالئۃ کساء ھا اپنے کپڑوں اور برقعہ کو بھرنے والی یعنی خوب فربہ اندام تھی(۱)۔وغیظ جارتھا. غیظ کے معنی کسی کو غصہ دلانا اور ناراض کرنا ہے یعنی مغیظۃٌ لجارتھا. اور جارۃ اس مقام پر ضرّۃٌ یعنی سوکن کے معنی میں ہے۔ایک روایت میں عقر جارتھا آیا ہے۔جس کا معنی ہے کہ وہ سوکن کی موت تھی۔مطلب یہ ہے کہ وہ اتنی حسین فربہ اور خوش اندام تھی کہ اس کی سوکن ہمیشہ اس سے جلتی رہتی تھی۔اسے دیکھنا گوارانہیں کرتی تھی۔گویا ابوزرع کی بیٹی اس کے لئے غیظ وغضب کا سبب بنی رہتی تھی۔جاریۃ أبی زرع الخ اب گھر کی خادمہ کی تعریف کرتی ہے کہ وہ بھی بہت اچھی تھی۔

(۱) بعض روایات میں یہاں ایک اور صفت کا اضافہ بھی مروی ہے۔وہ ہے''وصفر رداء ھا'' یعنی اس کی رداء خالی ہوتی تھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا سینہ اور نچلا حصہ گوشت سے بھرا ہوتا تھا جبکہ پیٹ پتلی تھی جس کی وجہ سے درمیان میں رداء خالی رہتی تھی البتہ رداء کا اوپری حصہ اورازار فربہی کی وجہ سے بھرا رہتا تھا۔(اصلاح الدین)

لیکن یہاں فرق مراتب کی وجہ سے تعظیم واستفہام کا کلمہ نہیں لائی (۱)۔تو ابوزرع کی خادمہ کی مدح کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے دی تھی کہ لاتبث حدیثنا تبثیثا الخ بث اور تبثیث دونوں نشر کرنے اور پھیلانے کو کہتے ہیں تبثیث مفعول مطلق من غیر باب الفعل ہے۔یعنی وہ ہماری گھر کی بات اور راز کو ظاہر وشائع نہیں کرتی تھی۔بلکہ راز کو راز رکھتی تھی۔و لاتنقث الخ نقث (باب نصر) ایک چیز کو دوسری جگہ چوری چھپے یا علانیہ طور پر لے جانے کو کہتے ہیں۔گڑھی ہوئی چیز کو نکال کرلے جانے کو بھی کہتے ہیں۔تو لاتنقث کا معنی ہوا لا تنقل میرتنا ماریمیر کھانے پینے کی چیزیں لے جانے اور راشن پہنچانے کو کہتے ہیں۔گھی،غلہ،آٹا،نمک،تیل وغیرہ ضرورت کی چیزوں کی رسد کو میرہ کہتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے۔''ونمیر اھلنا'' یعنی گھر کیلئے راشن لائیں گے۔حاصل کلام یہ ہوا کہ وہ خادمہ خائنہ نہ تھی کہ راشن کی چیزوں میں ہیر پھیر کرکے خیانت کرے۔اور جب کھانے پینے کی چیزوں میں خیانت نہ ہو تو دوسری چیزوں میں بطریق اولیٰ خیانت نہیں کرتی ہوگی۔

و لاتملا بیتنا اور ایک نسخہ میں بینا ہے یعنی ہمارے درمیان یا ہمارے گھر میں کھوٹ نہیں ملاتی تھی تغشیش غش سے ہے جو ملاوٹ دھوکہ اور فریب کو کہتے ہیں اور اگر یہ لفظ تعشیش ہو تو عش سے ہے جس کا معنی گھونسلا ہوتا ہے اور وہ بھی تنکوں،پروں،پتوں وغیرہ سے بنتے ہیں۔تو تعشیش کے معنی ہیں۔کوڑا کرکٹ اور تنکے وغیرہ جمع کرنا پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عموماً برے خدمتگار گھر میں بڑے بڑے فساد پیدا کرتے ہیں ایک کی باتیں دوسرے تک پہنچا کر گھروں میں جھگڑے پیدا کرتے ہیں رازوں کو فاش کرتے ہیں۔لیکن یہ خادمہ ان نقائص سے پاک تھی۔ساس نندوں اور میرے درمیان آگ نہیں بھڑکاتی تھی۔بعض شراح نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ وہ عفیف الفرج تھی اور کسی کو خود پر قابو نہیں دلاتی تھی۔اور تعشیش عین کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ ہمارے گھر کو گھاس،پھوس کوڑا کرکٹ سے نہیں بھرتی تھی تاکہ ایک اور خادم صفائی کیلئے رکھنا پڑے۔صاف ستھرا رکھتی تھی۔بہرحال گھر کے تمام افراد بہت اچھے تھے اور گھر جنت کا نمونہ تھا۔

---

(۱)واضح رہے کہ بخاری،مسلم اور تمام شروح میں ''جاریۃ ابی زرع فما جاریۃ ابی زرع'' آیا ہے۔ البتہ ترمذی کے ساتھ چھپنے والے شمائل کے نسخے میں ''فما جاریۃ ابی زرع'' کا کلمہ نہیں ہے اور حضرت شیخ استاد محترم کی توجیہ اسی کیلئے ہے۔(اصلاح الدین)

ام زرع کادوسرا شوہر: خرج أبو زرع الخ اس کے بعد اپنی کامیاب اور خوشحال زندگی کا زوال بیان کرنے لگی ہے۔والا طاب تمخض الخ اوطاب وطب کی جمع ہے جو دہی اور لسی کے برتن کو کہتے ہیں اس کا ترجمہ اسقیۃ اللبن سے کیا جاتا ہے اور لبن آج کل دہی کو کہتے ہیں۔جبکہ دودھ کو حلیب۔ مخض جھٹکے اور شدت سے کسی چیز کو ہلانے کا نام ہے عورت کا جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو جھٹکے لگتے ہیں۔ان جھٹکوں کے بعد بچے کی ولادت ہوتی ہے۔اس وجہ سے دردزہ کو بھی مخاض کہتے ہیں اور دہی بلونے کو بھی مخض اس لئے کہتے ہیں کہ دہی بلوتے وقت اوطاب کو دھچکے دیئے جاتے ہیں۔وہ فصیح و بلیغ لوگ تھے سویرے نکلنے کیلئے یہ جملہ بطور کنایۃ استعمال کرتی ہے اور دراصل یہ سفر پر نکلنے سے کنایہ ہے کیونکہ سفر پر جاتے وقت آدمی کو سویرے اٹھ کر گھر سے جانا ہوتا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

مسافر شب کو اٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل

اس کے ساتھ اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ ایسے دنوں میں نکلا جب دودھ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ عموماً عربوں کے تجارت کے ایام ہوتے تھے۔ پرانے زمانے میں عورتیں سویرے اٹھتی تھیں تا کہ صبح سویرے جب دہی ٹھنڈا ٹھنڈا ہوتا ہے اسے بلوئے۔اس طرح مکھن زیادہ نکلتا ہے۔اس لئے فجر سے بھی پہلے یہ عورتیں اٹھ کر دہی بلوتی تھیں۔اب تو مغربی تہذیب نے عورتوں کو محنت اور کام کاج سے آزاد کردیا۔ سورج چڑھنے تک سارے لوگ سوئے رہتے ہیں۔ بہر حال ابو زرع صبح سویرے جب کہ عورتیں ابھی دہی بلونے میں لگی ہوئی تھیں گھر سے نکلا۔

فلقی امرأۃ الخ یعنی میری شامت جو آئی تو اس سفر میں اسے ایک عورت ملی جس کے ہمراہ دو بچے تھے۔ کالفھدین وہ ایسے چست اور چاک و چوبند تھے جیسے کہ چیتے ہوں اچھلتے اور کودتے تھے گویا چیتوں کے ساتھ کھیل اور پھرتی میں تشبیہ ہے۔

یلعبان من تحت الخصر برما نتین الخ اس جملے میں منظر کی دلکشی کے بیان کے ساتھ ساتھ مذکورہ عورت کی نسوانی حسن کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ اس عورت کی کمر پتلی اور سینہ اور سرین کا حصہ بھرا ہوا اور فربہ تھا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی اور اس کے سینہ اور سرین کے درمیان جو خلا سا پیدا ہوتا تھا پتلی کمر کی

وجہ سے اسی کوتحت الخصر سے تعبیر کیا گیا ہے۔یہاں اس کے دو بچے دوانا روں کے ساتھ کھیل رہے تھے یعنی اس کے پہلو کے نیچے سے انار ادھر ادھر پھینکتے جاتے تھے۔یہ دلربا منظر دیکھ کر اس آدمی کو تعجب ہوا۔اور ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اس جملہ میں رمانتین عورت کے دو پستانوں کیلئے استعارہ کے طور پر مستعمل ہے۔جیسا کہ بعض روایات میں تحت صدر ہا اور دوسری میں تحت درعہا سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔پستانوں کو اناروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی یہ دو بچے اس عورت کے پستانوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور اس قسم کی تشبیہ متعارف بھی ہے۔ایک شاعر کا مصرع ہے ع وغصناً فیه رمّانٌ صغارٌ. یعنی وہ محبوبہ ایک ٹہنی کی طرح ہے جس پر دو انار لگے ہوئے ہیں۔

فطلّقنی الخ یعنی اس عورت کے حسن سے متاثر ہوا اور بیٹوں کی پھرتی سے نجابت کا علم ہوا تو ابوزرع نے مجھے طلاق دیکر اس عورت سے نکاح کر لیا۔فنکحتُ بعدهُ الخ اس زمانہ میں عورت کیلئے دوسرے مرد کے ساتھ شادی کوئی معیوب بات نہ تھی بلکہ آج بھی عرب معاشرے میں حالت تقریباً یہی ہے اور یہ عین اسلامی طریقہ بھی ہے اس میں نہ مرد کیلئے کوئی مسئلہ ہے نہ عورت کو مشکلات۔الغرض عورت نے اس کے بعد اس مرد سے نکاح کیا۔

رجلا سریا رکب شریا سریؓ سردار کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔اور جاری نہر کو بھی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سورۃ مریم کی آیت قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سریّا کا ایک معنی تو یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے نزدیک ہی نشیب میں ایک چشمہ یا نہر جاری کر دیا۔اور دوسرا معنی یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے ایک بڑے سردار کو جنم دینے کا انتظام کر دیا ہے یعنی وجیه فی الدنیا و الآخرة۔پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے اور شریؓ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو کہ خاص انداز سے مستی اور دلکی چال چلے۔نیز مسلسل سفر کرتا جائے اور سفر کے دوران رکنے کا نام نہ لے۔اخذ خطیّا الخ نیزے کی صفت ہے۔یعنی رمحاً خطّیاً. خط جزیرۃ العرب کے جنوب مشرقی علاقے میں عمان کا ایک ساحلی شہر ہے جس میں بنائے جانے والے نیزے بہت اعلیٰ ہوتے تھے جسطرح کہ آج کل بعض ممالک کا اسلحہ بہت مشہور ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ابوزرع کے بعد میں نے ایک ایسے شخص سے نکاح کیا جو نہ صرف سردار تھا بلکہ سرکش گھوڑے پر سوار ہوتا تھا جنگجو اور نیزہ باز بھی تھا۔واراح علی نعما ثریا اراح یریح رواح سے

افعال کا صیغہ ہے۔شام کے وقت کوئی چیز لا کر دینے کو کہتے ہیں۔شام کو گھر واپس آنے والے جانوروں کو رائحہ جانور کہتے ہیں۔نعم کا اطلاق اونٹ، بیل اور بھیڑ بکریوں پر ہوتا ہے۔بعض نے اونٹوں کے ساتھ اسے خاص کہا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔اور ثریاً ثروۃ سے کثرت کے معنی کا حامل ہے۔یعنی بہت زیادہ مویشی اور جانور مجھے مہیا کر دیئے۔شام کو گھر آتے تو گھر بھر جاتا تھا۔

واعطانی من کل رائحۃ زوجاً رائحہ سے ہر راحت کی چیز مراد ہے۔یا شام کے وقت گھر آنے والے جانور مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ گائے بھیڑ بکری وغیرہ دیئے۔بعض روایات میں ذال کے ساتھ ذابحہ کا لفظ آیا ہے۔یعنی **مایجوز ذبحہ** (ذبح ہونے والے جانور) مجھے کئی دیئے ایک پر اکتفاء نہیں کیا۔

ومیری اھلک میری ماریمیر سے امر حاضر واحد مونث کا صیغہ ہے میرۃ راشن پہنچانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ گھر والوں یعنی رشتہ داروں، والدین کو بھی دیتی رہو پرواہ نہ کرو یعنی والدین اور میکے والوں کے پاس کچھ بھیجنے سے مجھے رنج نہیں ہوگا۔ہر عورت اس بات سے خوش ہوتی ہے کہ اس کا خاوند اس کے میکے کو قدر کی نظر سے دیکھے۔ام زرع بھی اس بات سے اپنے خاوند کی کشادہ دلی بیان کر رہی ہے۔

فلو جمعت الخ تمام نعمتوں اور احسانات کے باوصف ام زرع ابوزرع اور اس کی محبت کو یاد کر رہی ہے۔اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوج ثانی کے تمام احسانات اور اس کی نعمتیں جمع کر دوں تو ابوزرع کے احسانات کے چھوٹے سے برتن میں سما جائیں۔ بلکہ اس تک بھی نہ پہنچ سکیں۔وفاداری کی یہ عادت بعض لوگوں میں ہوتی ہے کہ علیحدگی کے باوجود بھی وہ پہلے خاوند کو یاد کرتی ہے اور خوشحالی کے باوجود اسی کا ذکر کر رہی ہے(۱)۔

---

(۱) یہی درحقیقت پہلی محبت کا جذبہ بھی ہے جس کی طرف ابوتمام نے یوں اشارہ کیا ہے۔

نقل فؤادک حیث شئت من الھویٰ — ماالحب الا للحبیب الاول

کم منزل فی الارض یا لفۃ الفتیٰ — وحنینہ ابداً لاوّل منزل

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "الشیب نصف المرأۃ" کیونکہ پوری نہ ہو تو کم از کم آدھی محبت وہ پہلے خاوند کو دے دیتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی محبوبیت اور ام زرع کا مقام دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ واحد کنواری تھیں جو آپ ﷺ کے پاس تھیں۔(اصلاح الدین)

حضرت عائشہؓ نگاہ رسول ﷺ میں: قالت فقال رسول اللہ ﷺ الخ قصہ ختم ہوجانے کے بعد نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی دلجوئی بے مثال انداز سے فرماتے ہیں کہ میں تیرے لئے ابوزرع کے مرتبے میں ہوں یعنی اس طرح کی محبت میں تیرے ساتھ کرتا ہوں جس طرح کی محبت کوام زرع آخر دم تک یاد کرتی رہی۔اور ایک روایت میں ہے غیر انی لم اطلقک (۱) یعنی میری محبت تو ویسی ہی ہے لیکن ابوزرع نے بے وفائی کر کے بیوی کو طلاق دے دی اور میں یہ کام نہیں کروں گا۔بعض روایات کے الفاظ یوں ہیں کنت لک کابی زرع لام ذرع فی الالفة والرفاء (۲) ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ ﷺ میرے لئے ابوزرع سے ہزاروں درجہ بڑھ کر ہیں ابوزرع کیا تھا(۳)۔کیونکہ وہ تو صرف دنیوی لذات مہیا کرتا رہا اور پھر طلاق بھی دیدی لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ اخروی منافع سے بھی مالا مال فرمایا۔

حدیث سے مسائل مستنبطہ: اس حدیث سے علماء نے متعدد مسائل مستنبط کئے ہیں لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حدیث اس مقصد کیلئے لائے ہیں کہ ایک دائرے کے اندر اور حدود شریعت کا پابند رہتے ہوئے حسن معاشرت کی خاطر رات کے وقت سونے سے پہلے قصہ گوئی جائز ہے۔جس طرح کہ نبی کریم ﷺ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے اس کے علاوہ اس حدیث سے دیگر مسائل بھی مستنبط کئے گئے ہیں مثلاً

(۱) فضیلت عائشہ رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کے ہاں ان کا مرتبہ اسی وجہ سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کے باب میں ذکر کیا ہے(۴)۔

(۲) بیویوں کے ساتھ محبت اور حسن معاشرت کا اہتمام کرنا۔اسی لئے بخاری شریف میں اس حدیث کو باب حسن المعاشرۃ مع الاہل کے تحت لایا گیا ہے(۵)۔

---

(۱) جمع الوسائل ج۲ص۲۷

(۲) نقله القاری فی الجمع عن بعض الکتب ج ۲ ص ۲۷

(۳) زاد الزبیر إلاّ أنّه طلّقها وإنّی لا اطلّقک فقالت عائشة رضی الله عنها بابی انت وامی لانت خیر لی من أبی زرع لامّ زرع. تو شیخ علی حاشیة البخاری ج ۱ ص ۷۸۰ (اصلاح الدین)

(۴) مسلم شریف ج۲ص۲۸۷

(۵) بخاری شریف ج۲ص۷۷۹

(۳)امم سابقہ کے واقعات کابیان اور تاریخ گوئی کا جواز

(۴) یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں تمام وجوہ میں مماثلت شرط نہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خود کو ابوزرع سے تشبیہ دی لیکن خود ہی بعض صفات کی نفی بھی کردی۔

(۵) اگر محکی عنہ غیر معروف ہو اور اس کی حکایت سے اس کی بے عزتی نہ ہو تو اس کے عیوب کا بیان غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔

خلاصہ باب

اس باب میں نبی کریم ﷺ سے رات کو قصہ گوئی نقل کی گئی ہے۔ جس سے بظاہر اس کا جواز معلوم ہورہا ہے اور ابتدائے باب میں ہم لکھ چکے ہیں کہ جہاں کراہت کا ذکر آیا ہے اس کا اپنا محمل ہے۔

نبی کریم ﷺ سے ان دو احادیث کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی سمر یعنی رات کی قصہ گوئی اور بات چیت منقول ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی رات کو نماز کے بعد کبھی کبھی مشورہ اور باتیں کرتے تھے جس کا روایت میں ذکر موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ رات کو قصہ گوئی جائز اور نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ان دونوں احادیث میں مزید بے شمار احکام کو بھی اشارہ ہے۔ جن کو ہم دوران تشریح بیان کر چکے ہیں۔

۳۹. باب ما جاء فی صفة نوم رسول اللہ ﷺ

حضور اقدس ﷺ کے نیند کا بیان

گزشتہ باب میں نیند سے پہلے قصے سنانے کا ذکر تھا چونکہ ایسی قصہ گوئی کے بعد نیند ہوتی ہے اس لئے اس باب میں نیند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نوم(۱) ذہول کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں حواس اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں اور علم ومعرفت اور ادراک ماند پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اسے اخو الموت یعنی موت کا بھائی کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل کچھ دیگر کیفیات بھی ہوتی ہیں جن کے لیے عربی میں اپنے نام ہیں۔ مثلا سِنَةٌ اس کیفیت کو کہا جاتا ہے جس میں صرف سر بھاری ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب آنکھیں بھاری ہو کر بند ہونے لگتی ہیں تو اسے نعاس کہتے ہیں۔ اور جب یہ کیفیت دل تک پہنچ جاتی ہے تو نوم کہلاتی ہے۔

<u>نیند کی کیفیت اور دعائیں:</u> اس باب میں نبی کریم ﷺ کی نیند کی کیفیت کے ساتھ وہ دعائیں بھی منقول ہیں جو آپ ﷺ نے اس سے پہلے یا اس کے بعد پڑھی تھیں۔

(۱) حدثنا محمد بن المثنیٰ أنبأنا عبدالرحمٰن بن مهدیّ أنا إسرائيل عن أبي إسحاق عن عبدالله بن يزيد عن البراء بن عازب إنّ رسول الله ﷺ كان اذا اخذ مضجعه وضع كفّه اليمنیٰ تحت خدّه الأيمن وقال ربّ قني عذابک يوم تبعث عبادک(۲).

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے بستر پر لیٹ جاتے تھے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے تھے۔ اور یہ دعا فرماتے

---

(۱) نوم کا لغوی معنی ہے سونا، اونگھنا اور مرنا اور اصطلاح میں غشية ثقيلة تهجم على القلب فتقطعه عن المعرفة بالاشياء(المواهب اللدنية ص ۱۶۹) اور علامہ مناویؒ نے یوں تعریف کی ہے والنوم حالة طبعية تتعطل معها القویٰ تسير فی البخار إلیٰ الدماغ(المناوی علی هامش جمع الوسائل ۲/۷۴)(مختار)

(۲) السنن الكبریٰ ۶/۱۸۸ كتاب عمل اليوم والليلة باب مايقول اذاأویٰ إلی فراشه جامع ترمذی ۲/۶۵۰ ابواب الدعوات باب ماجاء فی الدعا اذا اویٰ الی فراشه، الادب المفرد للامام البخاری ۳۱۳ رقم الحديث ۱۲۱۶ مصنف ابن ابی شيبة ۹/۷۶(مختار)

تھے کہ ”رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک “یعنی اے میرے رب مجھے اس دن کے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔

إذا اخذ مضجعه مضجع ضَجَعَ سے ظرف کا صیغہ ہے۔مضجع لیٹنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ بستر مراد ہے۔وضع کفه الیمنی کف سے ہتھیلی مراد ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں کروٹ سویا کرتے تھے۔اس طرح کے سونے میں ایک تو دائیں جانب کی تفضیل ہے۔آپ ﷺ کرامت کے کاموں میں دائیں کو بائیں پر ترجیح دیا کرتے تھے اور یہی وجہ سب سے بہتر وجہ ہے۔دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دائیں کروٹ سونے سے دل پر دیگر اعضاء کا بوجھ نہیں ہوتا کیونکہ دل سینے میں بائیں جانب کو ہے۔اس لئے ایسی نیند میں استغراق نہیں ہوتا۔اور بائیں جانب لیٹنے سے دل نیچے دب جاتا ہے۔جس کی وجہ سے نیند سے بیداری میں دقت ہوتی ہے۔لیکن یہ توجیہ اس وقت درست ہوگی جب کسی کو دائیں جانب لیٹنے کی عادت نہ ہو۔ورنہ بکثرت دائیں جانب لیٹنے سے جب اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو اسی طرف کروٹ لیٹنے میں مزہ آتا ہے۔اور اسی جانب لیٹنا امت کی تعلیم کے لیے ہوگا(۱)۔ورنہ آپ ﷺ کا دل سوتے میں بھی بیدار ہوتا تھا۔لہٰذا آپ ﷺ کے لیے دائیں بائیں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

رب قنی عذابک اس دعا میں نبی کریم ﷺ نے نہایت تواضع سے کام لیا ہے ورنہ عذاب سے بچنے کی دعا کی ضرورت آپ ﷺ کے لیے نہیں تھی۔یا پھر تعلیمِ امت کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔یوم تبعث عبادک چونکہ نیند موت کی طرح اور بیداری بعث بعد الموت سے مشابہ ہے۔لہٰذا

---

(۱)اس روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ دائیں کروٹ سونا مستحب ہے اور چت لیٹنا یا بائیں پہلو پر لیٹنا یا الٹا لیٹنا مکروہ ہے۔علامہ عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے وھذا دلیل علی استحباب النوم علی الشق الایمن، وقد کرہ العلماء النوم علی الظھر والبطن وعلی الجانب الایسر(الاتحافات ۳۰۶) طبی لحاظ سے بائیں جانب سونا اگرچہ نظام ہضم کے لئے فائدہ مند ہے مگر دوسری طرف دل پر اثر انداز ہوتا ہے تو نقصان دہ ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ بعض اطباء نے بائیں جانب سونے کو اچھا بتایا ہے کہ گہری نیند آنے سے ہضم بہتر ہوتا ہے اور یہ صحیح ہے لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے جس کی طرف ان کا ذہن نہیں گیا وہ یہ کہ جب دل نیچے کی جانب ہوگا تو تمام بدن کا زور اس پر پڑے گا اور بدن کا مواد اس پر اثر کرے گا دل اعضائے رئیسہ میں اہم عضو ہے اس پر مواد کا تھوڑا سا اثر ہونا بھی بہت سے امراض کا سبب اس لئے بائیں کروٹ سونے میں اگر طبی مصلحت ہے تو ایک طبی مضرت بھی ہے اور مضرت سے بچنا زیادہ اہم ہے اس لئے طبی حیثیت سے بھی دائیں کروٹ پر سونا بہتر ہے۔(خصائل ۲۰۸،۲۰۹)(مختار)

نیند کے ساتھ بعثت کی یادفطری بات تھی۔

(۲) حدّثنا محمّد بن المثنیٰ أنبانا عبدالرحمٰن انا إسرائیل عن أبی إسحاق عن أبی عبیدة عن عبداللّٰه مثله و قال یوم تجمع عبادک.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے(صرف یہ فرق ہے) کہ آپ نے فرمایا"یوم تجمع عبادک "یعنی جب تم بندوں کو جمع کروگے۔

عن ابی عبیدة عن عبداللّٰه ابوعبیدة حضرت ابن مسعود کے بیٹے ہیں۔اپنے والد سے حضرت براءؓ کی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں صرف یوم تبعث کی بجائے یوم تجمع کہا ہے۔جمع بعثت کے بعد قیامت کے روز ہی ہوگی(۱)۔

(۳) حدّثنا محمود بن غیلان ثنا عبدالرزاق أنا سفیان عن عبدالملک بن عمیر عن ربعی بن حراش عن حذیفة قال کان النّبیّ ﷺ اذا آوی الی فراشه قال اللهمّ باسمک أموت و أحییٰ وإذا ستیقظ قال الحمد للّٰه الذی أحیانا بعد ماأماتنا وإلیه النشور(۲).

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ جب بستر پر لیٹتے تو یہ کہتے "اے اللہ تیرے ہی نام سے مرتا(سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوتا(جاگتا) ہوں۔اور جب جاگ جاتے تو فرماتے"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعدزندگی بخشی اوراسی کی جانب ہم نے رجوع کرنا ہے۔

---

(۱) پہلی روایت میں یوم تبعث ہےاوراس میں یوم تجمع ہےاس کی وجہ علامہ بیجوریؒ قال یوتجمع عبادک أی بدل یوم تبعث عبادک ولابدمن تحق البعث والجمع معافاکتفیٰ فی کل حدیث بأحدهمالأنّه یکون البعث ثمّ الجمع ثمّ النشور کما ورد(المواهب اللدنیة ص ۱۷۰)(مختار)

(۲)صحیح بخاری ۹۳۴/۲ کتاب الدعوات باب مایقول اذانام، سنن ابی داؤد ۳۴۰/۲ کتاب الادب باب مایقول عندالنوم، جامع ترمذی ۱۵۲/۲ کتاب الدعوات باب منه، السنن الکبریٰ للنسائی ۱۸۷/۶ کتاب عمل الیوم واللیلة باب ما یقول اذا ارادأن ینام (مختار)

إذا آوی الی فراشہ الخ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اپنے بستر کو آتے تو مذکورہ دعا پڑھتے۔ ایواء حفاظت کی جگہ کو پہنچنے کو کہتے ہیں۔ ٹھکانے کو ماٌ وی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے آو آوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ. حضرت لوطؑ فرماتے ہیں کہ کاش میرا بھی مضبوط ٹھکانہ اور مرجع ہوتا جہاں میں سر چھپاتا اور جن سے دشمنانِ دین کے خلاف مدد حاصل کرتا۔

اللھم باسمک اموت (۱) واحییٰ الخ یعنی تیرے نام کو مستحضر کرتا ہوں میرا ایمان ہے توحید پر۔ اور اسی حالت میں سوتا ہوں۔ نیند ایک لحاظ سے موتِ اصغر ہے۔

نیند کی موت سے مشابہت: کیونکہ اس میں حواس معطل ہوجاتے ہیں۔ نیز موت کا اطلاق تعطل اور زوالِ حواس پر بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں النوم اخوالموت. واحییٰ اور تیرے نام کے ساتھ زندہ ہوتا ہوں۔ یعنی جاگتا ہوں۔ اور حواس کا تعطل ختم ہونے کو حیاۃ کہا ہے۔

اس سارے جملے میں حضرت ابراہیمؑ کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العالمین ۔ نیز اس بات پر تنبیہ ہے کہ نیند سے پہلے یہ تصور کرنا چاہیے کہ شاید یہ آخری نیند ہو اور اسی میں روح قبض ہو۔ لہٰذا حسن خاتمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر چاہیے۔ اور بیدار ہونے کے بعد ادراک اور حس وحرکت دوبارہ ملنے پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

لیکن یہ سب کچھ ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں نبی کریم ﷺ کے نزدیک موت ہی بیداری ہے۔ نیند نہیں۔ اور ہم زندگی کی حالت میں نیند میں ہیں۔ مرجائیں گے تب ہی بیدار ہونگے۔ انتبھوا کہ زندہ لوگ خوابیدہ ہیں جب مرینگے تب بیدار ہونگے۔ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا کیونکہ اس وقت سارے حقائق محسوسات کی طرح منکشف ہوجائیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مومن زندگی کے تکالیف سے نہیں ڈرتا۔ وہ بڑی مصیبتوں کو صبر واستقامت سے جھیل سکتا ہے کیونکہ خواب کی تکلیف درحقیقت

---

(۱) ملا علی قاریؒ نے موت کے مختلف معانی نقل کیے ہیں (۱) سکون (ٹھہرنا) وقیل الموت فی کلام العرب یطلق علی السکون یقال ماتت الریح إذا سکنت (۲) جہالت وقدیستعمل فی زوال القوّۃ العاقلۃ وھی الجھالۃ کقولہ تعالیٰ اومن کان میتاً فأحییناہ (الایۃ) (۳) احوال شاقۃ وقدیستعار الموت للاحوال الشاقۃ کالفضر والذل والسوال والھرام والمعصیۃ وغیر ذلک (جمع الوسائل ۲/۷۵) (مختار)

تکلیف ہے ہی نہیں۔ جاگنے کے بعد ساری کدورت دور ہو جاتی ہے۔ جبکہ کافر و فاسق دنیا میں مزے اڑائیں تو کیا؟ ابھی موت آئی آنکھیں کھلیں اور مار پڑنے لگی تو زندگی کے خواب میں مزوں سے کیا فائدہ۔ جب جاگنے کے بعد کدورت ہی کدورت ہے۔

<u>نیند سے بیداری کی بعثت سے مشابہت:</u> والیہ النشور (۱) نیند سے بیدار ہونے کے بعد آخرت کی بعثت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری کا دھیان ہونا چاہیے۔ اور اعمال کے حساب کو یاد کرنا چاہیے۔ تاکہ استقامت میں فرق نہ آئے۔

(۴) حدّثنا قتیبة بن سعیدثنا المفضّل بن فضاله عن عقیل اراه عن الزّهری عن عروة عن عائشة قالت کان رسول اللهﷺ إذاأوی إلیٰ فراشه کلّ لیلة جمع کفّیه فنفث فیهما وقرأفیهما قل هوالله احد و قل أعوذ برب الفلق وقل أعوذ برب النّاس ثم مسح بهما ما استطاع من جسده یبدء بهما راسه ووجهه و ما أقبل من جسده یصنع ذلک ثلاث مرات(۲).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریمﷺ ہر رات کو جب بستر پر لیٹتے تو دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان پر دم فرما دیتے تھے۔ اور (تین سورتیں) قل هو الله احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ لیتے تھے۔ جہاں تک ان

---

(۱) علامہ ملا علی قاریؒ الیه النشور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای وإلیه المرجع فی نیل الثواب ممّا نکتسبه فی حیاتناهذه (جمع الوسائل ۲/۷۵) اور علامہ نوویؒ نے نشور سے بعث بعد الموت لیا ہے وقال النوویؒ المراد باماتتنا النوم وامّا النشور هوالاحیاء للبعث یوم القیامة فنبهﷺ باعادة الیقظة بعدالنوم الذی هوشبیه بالموت علی اثبات البعث بعد الموت اور بعض نے نشور سے مراد التفرق فی امر المعاش کا لافتراق حال المعاد لیا ہے (جمع الوسائل ۲/۷۵) (مختار)

(۲) صحیح بخاری ۲/۷۵۰ کتاب فضائل القرآن باب فض المعوذات، سنن ابی داؤد ۲/۳۴۰ کتاب الادب باب مایقول عندالنوم، جامع ترمذی ۲/۱۵۱ کتاب الدعوات باب ماجاء فیمن یقرأ القرآن عندالمنام، السنن الکبریٰ للنسائی ۶/۱۹۰ کتاب عمل الیوم واللیلة باب مایقول من یفزع فی منامه، سنن ابن ماجة ص۲۷۶ کتاب الدعاء باب مایدعوبه إذا اوی إلی فراشه.(مختار)

کے ہاتھ پہنچتے اپنے ہاتھوں کو بدن پر پھیر لیتے تھے۔سر اور چہرے سے شروع کر کے بدن کے اگلے حصے پر پہلے ہاتھ پھیرتے تھے۔تین مرتبہ آپ ﷺ ایسا کرتے تھے۔

دم ڈالنا اور پھونک مارنا: فنفث فیھما نفخ پھونک مارنے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ لعاب نہیں ہوتے۔نفث بھی بعض لوگوں کے ہاں اسی معنی میں ہے اور کچھ لوگوں کے ہاں نفث میں تھوڑا سا لعاب ہوتا ہے جبکہ تفل تھوکنے کو کہتے ہیں۔امام نوویؒ نے اہل اللغت سے نقل کیا ہے کہ النفث لطیف بلا ریق یعنی نفث نرم پھونک کو کہتے ہیں جس میں لعاب شامل نہ ہو۔عموماً دم کرتے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے۔اس سے مقصود برکت ہوتی ہے۔تو آپ ﷺ ہاتھوں کو جمع کر کے اس میں نفث فرماتے تھے۔

یعنی کچھ پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کرتے تھے گویا ذکر کی وجہ سے منہ میں اور پھر لعاب اور پھونک کے واسطے سے ہاتھوں میں برکت آجاتی ہے۔وقرأ فیھما یہاں واو مطلق جمع کے لیے ہے کیونکہ نفث عموماً قراءۃ کے بعد ہوتا ہے(۱)۔بعض روایات میں فقرأ فاء کے ساتھ آیا ہے لیکن فاء کو بھی واو کے معنی میں لیا گیا ہے(۲)۔آپ ﷺ قرآن مجید کی آخری تین سورتیں پڑھتے اور بعض روایات میں مسبحات کا ذکر

---

(۱)اور یہی جمہور کی رائے ہے۔لأنّ النفث ینبغی ان یکون بعد التلاوۃ لیوصل برکۃ القرآن إلیٰ بشرتہ(حاشیہ شمائل ترمذی) اورملا علی قاریؒ نے لکھا ہے لأنّ تقدیم النفث علی القرأۃ ممّالم یقل بہ احدٌ(جمع الوسائل ۲/۷۷) اگرچہ بعض حضرات نے اولاً نفث اور پھر قرأۃ کو ترجیح دی ہے جیسا روایت بالا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔قال العلامہ البیجوری(قولہ وقرأفیھما)وفی روایۃ فقرأبالفاء ومقتقی الروایۃ الاولیٰ أنّ تقدیم النفث علی القرأۃ وعکسہ سیان حیث کانابعدجمع الکفین ومقتضیٰ الروایۃ الثانیۃ أن النفث یکون قبل القرأۃ وبہ جزم بعضھم وعلّل ذلک بمخالفۃ السحرۃ فانّھم ینفثون بعد القرأۃ (المواھب اللدنیۃ ص ۱۷۱)لکنّ ظاھر کلام الشیخ ابن حجرؒ أنّ الاولیٰ تقدیم القرأۃ علی النفث فانّہ حمل روایۃ الفاء علی أنّ قولہ فنفث فیھما فقرأۃ معناہ فأرادالنفث فیھما فقرأ فنفث بالفعل (المواھب الدنیۃ ص ۱۷۱) مگر علامہ بیجوریؒ نے اس توجیہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ولایخفی ما فی ھذا الحمل من التکلف لأنّہ خلاف ظاھر(المواھب اللدنیۃ ص ۱۷۱) اور امام فرأؒ نے فرمایا ہے کہ الفاء لاتفید الفاء الترتیب واحتجّ بقولہ تعالیٰ اھلکناھافجاء ھا بأسنابیاتاًوھم نائمون(جمع الوسائل ۲/۷۷) مگر جوتوجیہ مولانا صاحب مدظلہ نے ذکر فرمائی ہے وہ زیادہ وزنی ہے اس لئے کہ قاموس میں ہے انّ الفاء تأتی بمعنی الواو(جمع الوسائل ۲/۷۷)اور یہ توجیہ تکلف سے بھی خالی ہے۔(مختار)

(۲)فاء والی روایت کی ایک توجیہ علامہ ابن حجرؒ نے بھی کی ہے۔(مختار)

بھی ہے یعنی وہ سورتیں جن کی ابتداء میں تسبیح وارد ہوئی ہے جیسے سبحٰن الذی أسریٰ الخ ۔یا سَبَّحَ لِلّٰہ الخ ۔ان روایات میں تعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں ایک سورۃ پڑھتے اور دوسرے وقت میں دوسری سورۃ پڑھتے ۔ما استطاع یعنی جہاں تک ہاتھ پہنچتا اور ممکن ہوتا یعنی سر سے شروع کرتے پھر جسم کے مقدم حصے پر ہاتھ پھیرتے پھر پیٹھ پر پھیرتے اور تین بار یہ عمل دہراتے ۔تاکہ کمال برکت حاصل ہو اگرچہ نفس برکت ایک بار سے حاصل ہوجاتی ہے۔

(۵) حدثنا محمّد بن بشّار ثنا عبدالرحمٰن بن مھدی ثنا سفیان عن سلمة بن کھیل عن کریب عن ابن عبّاس أنّ رسول اللّٰہ ﷺ نام حتّٰی نفخ و کان إذا نام نفخ فاتاہ بلال فاذنه بالصّلٰوۃ فقام وصلّیٰ ولم یتوضّأ وفی الحدیث قصّة(۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سوئے تو خراٹے لینے لگے اور آپ ﷺ کی یہ عادت تھی جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے۔ پھر بلال آئے اور نماز کی تیاری کی اطلاع دی چنانچہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور وضوء کی تجدید نہیں کی۔

نیند میں خراٹے: حتی نفخ الخ یہاں تک کہ آپ ﷺ خراٹے لینا شروع کردیتے تھے۔وہ صحت مند انسان جس کا سینہ مضبوط ہوتا ہے۔ عموماً سوتے وقت خراٹے لینا شروع کردیتا ہے۔آپ ﷺ بھی خراٹے لیتے تھے(۲)۔

---

(۱)صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء إذاأنتبه من الیل، صحیح مسلم کتاب الحیض باب غسل الوجه والیدین اذااستیقظ من النوم، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی النوم علی طھارۃ، سنن ابن ماجة کتاب الطھارۃ باب وضؤ النوم(مختار)

(۲)جدید طب کے اندازوں کے مطابق خراٹوں کا اصل سبب یہ ہے کہ بیماری یا کھانے کی زیادتی کی وجہ سے تھالو ڈھیلا پڑجاتا ہے اس لئے نیند کی حالت میں سانس لیتے وقت اس کی تھرتھراہٹ سے خراٹوں کی آواز پیدا ہوتی ہے۔یہ آواز منہ کے ذریعے سانس لیتے وقت پیدا ہوتی ہے۔اگر ناک کے ذریعے سانس لی جائے تو خراٹوں کی آواز نہیں نکلتی۔اگر پہلو کے بل سویا جائے تو بھی یہ آواز پیدا نہیں ہوتی۔اسی وجہ سے پرانے لوگ اس کے علاج کے طور پر پشت پر کوئی پتھر بندھواتے تھے تاکہ مجبوراً پہلو کے بل سویا جائے۔بعض ماہرین نفسیات کے مطابق خراٹے ایک لاشعوری عمل ہے۔(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ولم یتوضأ نبی کریم ﷺ کی نیند بالاتفاق ناقض وضوء نہیں تھی۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں **تنام عینا ی و لاینام قلبی**(۱) وراس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے لیے وحی کی خاطر ہردم بیدار ہونا ضروری تھا اور اصل بیداری دل ہی کی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کا پاک ارشاد ہے کہ **نزّله علی قلبِک** یعنی جبریل امین نے قرآن کو تیرے دل پر اتارا۔ تو اگر قلب میں بیداری نہ ہو۔ تو وحی کا اخذ اور حفاظت کیونکر ہو۔ اسی وجہ سے تو انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو سوتے میں حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم ملا اور اس پر عمل بھی کیا۔

وفی الحدیث قصة الخ اس حدیث میں مزید قصہ وہ ہے جو حضرت میمونہؓ کے گھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پیش آیا یہ واقعہ بالتفصیل اگلے باب میں آرہا ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی نیند کی ایک نئی حیثیت ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ نیند میں خراٹے بھی لیتے تھے۔

(۶) حدّثنا إسحاق بن منصور ثنا عفان ثنا حمّاد بن سلمة عن ثابت عن أنس بن مالک أنّ رسول اللّٰہ ﷺ کان إذا أوی الی فراشه قال الحمد للّٰہ الذی أطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا فکم ممّن لا کافی له ولا مؤوی(۲).

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) پرانے زمانے میں انسان مضر جانوروں کو ڈرانے کے لیے اس قسم کی آوازیں جاگتے ہوئے نکالتا تھا۔ پھر یہی آوازیں وہ نیند کی حالت میں بھی لاشعوری طور پر نکالنے لگتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ یہ آوازیں انسان کی فطرت کا جزو بن گئیں (از بی بی سی)

لیکن طب اور نفسیات کی ان تخمینی باتوں کا وزن اس وقت کم ہوجاتا ہے جب ہم یہ حدیث پڑھتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی صحت آخر دم تک قابل رشک تھی۔ بلکہ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ خوب صحتمند لوگ خراٹے لیتے ہیں۔ اگر چہ وہ بھوکے کیوں نہ سوئیں۔ اور اگر فطرت کی بات ہوتی تو کمزور لوگوں کی فطرت کا جزو کیوں نہ بنتیں (اصلاح الدین)

(۱) بخاری کتاب التراویح باب ۱، اور کتاب التهجد باب ۱۶ (مختار)

(۲) صحیح مسلم ۲/۳۵۶ کتاب الذکر والدعا والتوبة باب الدعا عندالنوم، سنن ابی داؤد ۲/۳۴۰ کتاب الأدب باب مایقول عندالنوم، جامع ترمذی ۲/۱۶۵ کتاب الدعوات باب ماجاء فی الدعا إذا أویٰ إلیٰ فراشه، السنن الکبریٰ للنسائی ۶/۱۹۰ کتاب عمل الیوم واللیلة باب مایقول من یفرغ من منامه.(مختار)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ جب اپنے بستر ے میں تشریف لائے تو یہ دعا فرمائی (ترجمہ) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، ہماری ضروریات کی کفایت فرمائی۔اور سونے کے لیے ٹھکانہ دیا۔ کتنے لوگ ہیں جن کا کفایت کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی ٹھکانہ دینے والا ہے۔

کفران نعمت سے بچنے کا علاج: الحمد للہ الخ دنیا کی نعمتوں میں اگر انسان کسی بدحال شخص پر نظر ڈالے تو اپنی خوشحالی پر دل کے اندر سے شکر نکلتا ہے۔اس کے برعکس اعلیٰ معیار زندگی گزارنے والوں پر نظر پڑتی ہے تو کفران نعمت میں مبتلا ہونے کا خوف ہوتا ہے۔یہاں پر نبی کریمﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر گزاری کی تعلیم دی ہے اوراسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اپنی خوشحالی کا تصور کر کے شکر ادا کرنا چاہیے۔

روٹی کپڑا اور مکان صرف خدا دیتا ہے: اطعمنا وسقانا نیند کے وقت کھانے پینے کی نعمت کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ تینوں زندگی کے لیے ایک جیسے ضروری ہیں۔علاوہ ازیں نیند تب ہی آتی ہے جب آدمی بھوکا پیاسا نہ ہو۔اس لئے نیند کے ساتھ ہی دیگر دو نعمتیں بھی یاد آجاتی ہیں۔ بلکہ نیند کے لیے فراغِ خاطر بھی چاہیے۔اس لئے کھانے پینے کے بعد ضرورتوں کا پورا ہونا اور پناہ گاہ کا میسر ہونا بھی ذکر فرمایا۔ لیکن چونکہ رزق عام ہے اس سے کوئی محروم نہیں رہتا۔البتہ ضروریات کی کفایت اور پناہ گاہ سے بکثرت محرومی پیش آتی ہے اس لئے مؤخر الذکر دونوں کی نفی بعض مخلوقات سے کرنی پڑی۔

وکفانا یعنی ہماری ضروریات کی کفایت کی اور پیش آنے والے حوادث میں رحم فرما کر حفاظت فرمائی۔ ہمارے لاکھوں مسائل میں وہی ذات ہمارے لئے کافی ہوا۔اور دشمنوں ،شرور وآفات وبلیات میں دستگیری فرمائی۔ہمیں علم بھی نہیں ہوتا۔اور مسائل حل ہو چکے ہوتے ہیں اور حادثات ومصائب میں نجات مل چکی ہوتی۔ذالک بان اللہ مولیٰ الذین آمنوا وان الکافرین لا مولیٰ لھم.

وآوانا اور ہمیں ٹھکانا اور پناہ دی۔فٹ پاتھ اور سڑک پر تو نہیں رہنے دیا۔جبکہ آج بھی ہزاروں لاکھوں انسان جنگلوں، خیموں اور سڑکوں پر پڑے ہوتے ہیں۔بستر ہ تو کجا سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں۔ مصائب کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔انہی لوگوں کا ذکر نبی کریمﷺ نے ان الفاظ میں فرمایا ''فکم ممن لا

کافی لہ ولا مؤوی لہ" وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان کیا کہ ہماری کفایت کردی اور پناہ وٹھکانہ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس مقام پر روٹی کپڑا اور مکان کے بارے میں واضح کردیا کہ تینوں اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں توفکم ممن لا کافی الخ دراصل حمد کے لیے تعلیل ہے۔ یعنی ان بدحالوں کا احساس ہوتا ہے تو نعمتوں پر شکر دل سے نکل جاتا ہے۔

(۷) حدّثنا الحسین بن محمّد الجریری ثنا سلیمان بن حرب ثنا حمّاد بن سلمة عن حمید عن بکربن عبداللّٰہ المزنّی عن عبداللّٰہ ابن رباح عن أبی قتادة أنّ النبی ﷺ کان إذا عرس بلیل اضطجع علی شقّہ الأیمن وإذا عرّس قبیل الصبّح نصب ذراعیہ ووضع راسہ علی کفّہ (۱).

ترجمہ: حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کے آخری حصہ میں (صبح سے بہت پہلے) آرام کے لیے پڑاؤ ڈالتے۔ تو دائیں پہلو لیٹ جاتے تھے۔ اور اگر صبح سے کچھ پہلے آرام کا ارادہ فرماتے تو کہنی رکھ کر ہاتھ کھڑا کردیتے تھے اور اس پر سر رکھ کر قدرے آرام فرمالیتے تھے۔

ابو قتادةؓ: حضرت ابو قتادہؓ انصاری مشہور خزرجی صحابی ہیں۔ کنیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نام میں اختلاف ہے بعض نے حارث بن ربعی بتایا ہے بعض کے خیال میں عمرو بن ربعی یا نعمان بن عمرو ہے۔ آپؓ کو فارس رسول اللہ ﷺ بھی کہا جاتا ہے۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت میں کوفہ میں وفات پائی تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ آپؓ نے ۵۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی کیونکہ مروان بن الحکم سے مدینہ میں آپؓ کی ملاقات ثابت ہے۔

تعریس باللیل کے بعد وقت کالحاظ: اذا عرّس بلیل عموماً عرب لوگ زمانہ قدیم میں رات کو سفر کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی بھی عادت شریفہ یہی تھی کہ دور کا سفر مقصود ہوتا تو عصر کے قریب سفر

(۱) صحیح مسلم ۱/۹۹ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰة باب قضاء الصلوٰة الفائتة الخ المستدرک للحاکم ۱/۴۴۵، صحیح ابن حبان ۸/۱۱۸، مسند احمد ۵/۲۹۸ (مختار)

شروع کردیتے تھے رات کے اکثر حصے میں سفر کرتے رہتے تھے۔رات کے آخری حصے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈال دیتے تھے۔

اس قسم کے آرام کو جو رات کے آخر میں ہوتا ہے تعریس کہتے ہیں۔اس لئے کہ یہ عُرس سے ہے جو کہ شادی کو کہتے ہیں۔اور عروس دلہا اور دلھن کو کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں رات کے وقت ہی ملتے ہیں اور عموماً شب بیداری کے بعد صبح کو آرام کا موقعہ ملتا ہے۔بہرحال ایسی رات کو جب آپ ﷺ کو یقین ہوتا کہ ابھی کافی وقت ہے نماز قضا نہیں ہوگی تو اطمینان کے ساتھ دائیں کروٹ سو جاتے تھے اور اگر وقت کم ہوتا تو صرف آرام کرتے نیند کی صورت میں نماز کے جانے کا اندیشہ ہوتا۔لہٰذا ہاتھ سے تکیہ لگا کر لیٹ جاتے تھے۔جو کہ بروقت بیداری میں زیادہ ممد ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نیند کے نظام الاوقات میں ایسی ترتیب ہونی چاہیے کہ سفر،نماز،اور دیگر مشاغل بھی بروقت ادا ہوں۔

۴۰. باب ما جاء فی عبادة رسول اللهﷺ

رسول اللہﷺ کے عبادت کے بیان میں

عبادت کامعنی اقصیٰ غایة الخضوع و التذلل یعنی زیادہ سے زیادہ عاجزی اورخشوع وخضوع ہے(۱)۔ لیکن شریعت میں ان اعمال پربھی اسکا اطلاق ہوتا ہے۔جواس تذلل کا مظہر ہیں جیسے نماز روزہ غیرہ۔

تمام انسانوں اورخصوصاً نبی کریمﷺ کی اصل صفات معنوی صفات ہیں۔ایک خلقی خوبیاں ہوتی ہیں ان کاتعلق ظاہر سے ہےاور جودکھائی دیتی ہیں۔اس قسم کی خوبیاں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریمﷺ کو بدرجۂ اتم عطافرمائی تھیں۔ان محاسن کے کچھ نمونے ہم پڑھ چکے ہیں لیکن عظیم صفات وہ معنوی صفات ہیں جواخلاق کہلاتی ہیں۔

صفتِ عبدیت: ان تمام باطنی صفات میں سب سے اعلیٰ صفت عبدیت کی صفت ہے۔آپﷺ اعبدُالناس یعنی سب سے زیادہ بندگی کرنے والے بشر تھے۔اللہ تعالیٰ کی بندگی آپﷺ کی رگ وریشہ

(۱)خواہ وہ عجز وانکساری بطور عادت ہو یا عبادت،اگر چہ اصلی معنی عبادت کا امتثال امر ہے۔اس لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ بعض عادات بھی عبادات بن جاتی ہے۔البتہ بعض اشیاء ایسی ہیں جن کی مشروعیت صرف عبادت کے لئے ہے۔ اوربعض افعال واعمال ایسے ہیں جن کی مشروعیت حوائج انسانیہ کیلئے ہوئی مگروہ نیت کی وجہ سے عبادت بن جاتے ہیں۔لفظ عبادت اگر چہ عام ہے۔یعنی فرض،واجب اورنوافل سب کوشامل ہے۔مگرروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عبادات نافلہ مراد ہیں جن پرعام لوگوں کواطلاع نہیں۔فرائض پرتو ہرایک کواطلاع ہوتی ہے(تقریر ترمذی مع شمائل ترمذی حضرت مدنیؒ ص۱۷۸)آنحضرتﷺ کےنوافل کے بارے میں انعقاد باب کی وجہ اورغرض یہ ہے کہ آنحضرتﷺ باوجود معصوم ہونے اور قدغفر الله ماتقدّم و ماتأخّر کا خطاب ملنے کےنوافل کااورخصوصاًرات کےوقت نوافل کا کس قدراہتمام فرمایا کرتے تھے۔علامہ عبدالجوادالدومیؒ نےلکھاہےستعرف فی هذاالباب کیف کانت عبادة النبیﷺ و کیف داوم علیها حتیّ ورمت قدماه(الاتحافات ۳۱۱) اورپھر باب نوم کے بعداس باب کولانے کی وجہ علامہ مناوی نے یہ لکھاہے کہ لانّ نومه عبادة اولانّه کان یعقب نومه بعبادته (المناوی علی هامش جمع الوسائل ۷۹/۲) جبکہ بعض نسخوں میں یہ باب باب النوم سے قبل ہے۔اس کی وجہ علامہ بیجوریؒ نے یہ لکھی ہےوفی بعض النسخ فی عبادة النبیﷺ وعضب باب النوم بباب العبادة لأنّ نومهﷺ من أجل العبادات وأکمل الطاعات(المواهب اللدنیة ص ۱۷۲)(مختار)

میں سما گئی تھی اور اسی وجہ سے قرآن میں جہاں دوسرے انبیاء کے نام آتے ہیں وہاں آپ ﷺ کا ذکر "عبد" سے ہوتا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ بندوں میں کامل عبدیت کی صفت کے حامل اور عبد کا فرد کامل نبی کریم ﷺ ہیں۔کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز مطلق ذکر ہو اس سے فرد کامل مراد لیا جاتا ہے۔

مثلاً سبحن الذی أسریٰ بعبده لیلا من المسجد (الایة) اور وانه لما قام عبداللّٰه(الایة) اور اس قسم کی متعدد(۱) آیتیں ہیں جن میں آپ ﷺ کا نام لینے کی بجائے آپ ﷺ کو عبد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔اسی صفت پر آپ ﷺ فخر بھی کیا کرتے تھے۔کیونکہ انسانیت کی فضیلت و مزیت اور کمال بھی عبدیت ہی میں مضمر ہے۔عبدیت سے تجاوز کرنے کی کوشش کرنا انسانیت سے نکلنا ہے۔اور دیگر مذاہب میں افراط و تفریط کا سبب بھی یہی ہے کہ کسی نے تو عبد (کسی پیغمبر) کو عبدیت سے نکال کر الوہیت کی طرف پہنچا دیا اور کسی نے اس کو عبدیت سے بھی نیچے گرادیا۔بہر حال عبدیت کی یہ صفت آپ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔اب بطور نمونہ مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ کی عبادات کا بیان ہے۔

<u>بعثت سے قبل عبادت کی نوعیت:</u> نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ عبادت کیا کرتے تھے۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نبوت سے قبل کسی شریعت کی تقلید کیا کرتے تھے یا نہیں۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ شریعت ابراہیمی پر تھے۔بعض نے شریعت موسوی اور بعض نے شریعت عیسوی کا نام لیا ہے۔

لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی سابقہ شریعت کے مقلد نہیں تھے کیونکہ سابقہ تمام شریعتیں حضرت عیسیٰؑ کی شریعت سے منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰؑ کی شریعت تحریف کا شکار ہو چکی تھی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ما کنت تدری ماالکتاب و لاالایمان(الآیة) یعنی ایمان کے شرائع و احکام کا تجھے وحی سے قبل پتہ نہیں تھا۔البتہ اس پر ملا علی قاریؒ نے یہ شبہ کیا ہے کہ عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔اس لئے بنی اسماعیل کیلئے ابراھیمؑ کی شریعت باقی ہو سکتی ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ نبوت سے قبل بھی مؤمن تھے۔کبھی بھی بت پرستی نہیں کی۔البتہ ان کی عبادت کا انداز ہمیں معلوم نہیں۔

---

(۱) قرآن مجید میں دس مقامات پر آپ ﷺ کو عبد کہا گیا ہے جبکہ نام سے صرف چار بار یاد کیا گیا ہے۔

پھر کچھ مزید تفصیل لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ نبوت سے قبل آپ ولی تھے پھر نبی اور پھر رسالت سے مشرف ہوئے(۱)۔ ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل میں بھی اس موضوع پر طویل بحث کی ہے کہ جمہور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی بھی شریعت کے مقلد نہیں تھے ورنہ کہیں تو یہ بات نقل ہوتی نیز جو تابع ہوتا ہے وہ متبوع کیسے بنتا۔ جبکہ امام الحرمینؒ نے اس سلسلے میں توقف کو اختیار کیا ہے۔ جبکہ بعض لوگ آپ ﷺ کو سابقہ شریعت کے تابع کہتے ہیں۔ پھر ان لوگوں میں سے بعض نے آدمؑ بعض نے نوحؑ بعض نے ابراہیمؑ بعض نے موسیٰؑ اور بعض نے عیسیٰؑ اور بعض نے تمام شرائعین کے اتباع کا قول کیا ہے۔ پھر کچھ مزید تفصیل اور اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت باطنی اعمال مثلاً ذکر قلبی اور صفات الٰہی میں تفکر نیز آفاقی، نفسی آیات اور مصنوعات میں سوچ کے قبیلے سے تھے۔ نیز رحم، شفقت، تحمل، صبر وشکر، رضاء بالقضاء، تسلیم وتفویض، توکل اور فناء وبقاء کے احوال کی رعایت جیسے اخلاق عالیہ سے آپ متصف تھے۔ جیسا کہ اولیاء واصفیاء کی حالت کاملہ ہوتی ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید وبشر بن معاذ قالا أنا أبو عوانة عن زیاد ابن علاقة عن المغیرة بن شعبة قال صلّی رسول اللہ ﷺ حتّیٰ انتفخت قد ماہ فقیل له اتتكلّف هذا وقد غفر اللہ لک ماتقدّم من ذنبک و ماتاخّر قال أفلا أكون عبداً شكوراً(۳).

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نوافل پڑھیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاؤں میں ورم آگیا۔ کسی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت اٹھا کر عبادت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) مرقات علی المشکوٰۃ ج۳ ص۳۰۸ (مختار)

(۲) جمع الوسائل ج۲ ص۷۹، ۸۰ مختصراً (مختار)

(۳) صحیح بخاری ۱/ ۱۵۲ کتاب التهجد باب قیام النبی ﷺ اللیل، صحیح مسلم ۲/ ۳۸۵ کتاب صفات المنافقین واحکامهم باب اکثار الاعمال والاجتهاد فی العبادة، سنن نسائی ۱/ ۲۴۳، سنن ابن ماجة ص ۱۰۲ کتاب اقامة الصلوٰة والسنة فیها باب ماجاء فی قیام شهر رمضان (مختار)

آپ ﷺ کے گزشتہ اور آئندہ تمام گناہ معاف کردیئے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر (اتنے انعام کے بعد) کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔

عبادت میں مبالغہ اور مشقت شکراً تھا: فقیل لہ اکابر صحابہ میں سے بعض نے عرض کیا کچھ شراح نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے کہ یہ عرض انہوں نے کی تھی۔

أتتکلف بھذا یہاں تکلف سے تصنع مراد نہیں بلکہ بمشقت کام کرنا مراد ہے(۱) مطلب یہ ہے کہ کمال عفو اور مغفرت کے وعدے کے باوجود آپ ﷺ عبادت میں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں جبکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ یعنی ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم خود کو تھکا دو۔ بلکہ رات کے بعض حصوں میں آرام کرکے تخفیف سے کام لو۔ لتشقیٰ کا معنی جلالین نے "لتتعب بما فعلت بعد نزولہ من طول قیامک بصلوٰۃ اللیل" سے کیا ہے یعنی ساری رات تہجد پڑھ کر کھڑے رہنے کیلئے ہم نے تم پر قرآن کو نازل نہیں کیا ہے۔ صاحب کمالین نے اس مقام پر یہ محاورہ بھی نقل کیا ہے کہ سید القوم اشقاھم یعنی قوم کا سردار زیادہ تھکا ہوا ہوتا ہے۔ آرام کا موقع اسے نہیں ملتا۔ وقد غفر اللہ لک الخ سائل کے سوال کا منشاء یہ ہے کہ عبادت میں مبالغہ تو خدا کو راضی کرنے اور اپنے گناہوں کی معافی کیلئے کیا جاتا ہے جبکہ آپ ﷺ کے اول تو گناہ ہیں نہیں۔ اور اگر بالفرض ہوں تو وہ بھی پہلے سے معاف ہوچکی ہیں۔ لہٰذا عبادت میں اتنی مشقت بلاضرورت ہے۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو معصوم ہیں ان کے گناہ نہیں ہیں تو مغفرت کا کیا معنی؟ اس کے مفسرین نے متعدد جواب دیئے ہیں مثلاً یہ کہ اس سے مراد ذنوبِ امت ہیں نہ کہ خود نبی کریم ﷺ کے گناہ۔

بعض نے یہ کہا ہے یہ فرض پر مبنی ہے یعنی اگر بالفرض تیرے گناہ ہونگے بھی تو وہ بخش دیئے گئے ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں پر وہ خلاف اولیٰ باتیں مراد ہیں جو نبی کریم ﷺ سے گاہے گاہے

---

(۱) اس لئے کہ تکلف کی دو قسمیں ہیں۔ علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے التکلف نوعان ان یفعل الانسان فعلا بمشقۃ وھو ممدوح وھو المراد ھنا اویفعل فعلاً تصنعاً وھو مذمومٌ وھذا لیس مراداًھنا (المواھب الدنیۃ ص ۱۷۳) اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے انا وامتی براء من التکلف (جمع الوسائل ۲/۸۰) اور قرآن کریم نے فرمایا ہے وماانا من المتکلفین (سورۃ ص ۸۶) (مختار)

بتقاضائے بشریت صادر ہوسکتی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سلوک الی اللہ میں تقصیرات کو اشارہ ہے جو کہ آپ ﷺ سے بوجہ دیگر مصروفیات صادر ہوسکتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔

أفلا اکون عبداً شکوراً یعنی یہ تو ہم غلط ہے کہ عبادت میں مبالغہ کا صرف ایک سبب یعنی گناہ معاف کروانا ہے۔ بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ پر انعام بہت بڑا تھا۔ جس کا ذکر خود سائل نے بھی کیا ہے اور انعام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کردیا جائے اور شکر اس بات کا متقاضی ہے کہ عبادت میں خوب انہماک ہو۔ تو میری عبادت شکراً ہے گناہ معاف کرانے کیلئے نہیں ہے۔ اور اسی کو اشارہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **ان قوما عبدوا رغبةً فتلک عبادة التجار وان قوماً عبدوا شکراً فتلک عبادة الاحرار.** یعنی کچھ لوگوں نے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت اور نعمتوں کی رغبت کیلئے کی۔ یہ تاجروں کی عبادت ہے کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے خوف کی بناء پر عبادت کی یہ غلاموں کی عبادت ہے (جو ڈنڈے کے زور پر کام کرتے ہیں) اور کچھ لوگوں نے خدا کی عبادت بطور شکر کی۔ یہی آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔

<u>تورّم وانتفاخ قدمین:</u>

(۲) حدّثنا أبو عمّار الحسین بن حریث أنا الفضل بن موسیٰ عن محمّد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی هریرةؓ قال کان رسول اللّٰه ﷺ یصلّی حتّیٰ ترم (۱) قدماه قال فقیل له تفعل هذا وقد جاءک انّ اللّٰه تعالیٰ قدغفرلک ماتقدم من ذنبک وما تاخّر قال أفلا أکون عبداًلشکوراً(۱).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اتنی نفل نمازیں پڑھیں کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پھول گئے۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ کیا آپ ﷺ اتنی عبادت کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ ﷺ کے پاس تو یہ وحی آچکی ہے کہ

(۱) فتفرد الامام الترمذی بهذا الحدیث ﷺ فی نسخة حتیٰ تورّم (مختار)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا میں عبادت چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

حتی ترِمَ ورم یرم حسب یحسب کے باب سے مضارع معلوم کا صیغہ ہے اوران کی تقدیر کی وجہ سے منصوب ہے پھول جانے کو کہتے ہیں۔ ثلاثی مجرد کا صیغہ کم ہی استعمال ہوتا ہے۔ عموماً تورّم باب تفعل سے مستعمل ہوتا ہے بلکہ ایک نسخہ میں تورّم بھی آیا ہے۔ جو ماضی کا صیغہ ہے یا مضارع کا صیغہ ہے اور ابتداء میں ایک تاء تخفیفاً حذف کیا گیا ہے(۱)۔

افلا اکون الخ همزهٔ استفہام کا مدخول محذوف ہے اور فاء عطف کیلئے ہے۔ یعنی أأترک المبالغة فی التعبدا فلا اکون عبداً شکورا. کیا عبادت میں انہماک ترک کرلوں اور شکر گزار نہ بنوں۔

(۳) حدّثنا عیسیٰ بن عثمان بن عیسیٰ بن عبدالرحمان الرملیّ ثنی عمّی یحییٰ بن عیسیٰ الرملیّ عن الأعمش عن أبی صالح عن أبی هریرةؓ قال کان رسول اللّٰه ﷺ یقوم یصلیّ حتّیٰ یتنفخ قد ماه فیقال له یارسول اللّٰه أتفعل هذا وقد غفر اللّٰه لک ماتقدّم من ذنبک وماتاخّر قال أفلاأکون عبداًشکورا(۲).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز اتنی طویل پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پھول جاتے تھے۔ آپ سے کہا جاتا تھا کہ یارسول اللہ آپ اتنی عبادت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے کہ کیا میں عبادت میں مبالغہ ترک کردوں اور ایک شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

---

(۱) علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ عبادات میں حتی الوسع مشقت برداشت کرنا مستحب ہے۔ والغرض من سیاق هذا الحدیث بیان انّه اعظم الخلق طاعة لربّه وفیه ندب تشمیر ساق الجدفی العبادة وان اوی لمشقة مالم یفض إلیٰ ملال (المناوی علی هامش جمع الوسائل ۲/ ۸۱)(مختار)

(۲) سنن ابن ماجة ص ۱۰۲ کتاب اقامة الصلوٰة والسنة فیها باب ماجاء فی قیام شهر رمضان ص ۱۰۲ (مختار)

حتّیٰ تنتفخ قدماه: انتفاخ سے مضارع منصوب ہے یہ بھی تورّم کے معنی میں ہے۔اوپر کی دونوں حدیثوں کا مفہوم اس باب کی پہلی حدیث سے ملتا جلتا ہے۔

(۴) حدّثنامحمّد بن بشّار أخبرنامحمّد بن جعفر ثنا شعبة عن أبی إسحاق عن الأسود بن يزيد قال سالت عائشة عن صلوٰة رسول اللهﷺ بالليل فقالت كان ينام أوّل الليل ثم يقوم فاذا كان من السحرا وترثمّ أتىٰ فراشه فإذا كانت له حاجة المّ بأهله فاذا سمع الاذان وثب فان كان جنبا أفاض عليه من الماء وإلاّ توضّأ وخرج إلى الصلوٰة(۱).

صلوٰۃ اللیل اور عبادۃ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت:

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسود بن یزیدؒ نے نبی کریمﷺ کی رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں پوچھا۔تو حضرت عائشہ رضی اللہ نے فرمایا کہ نبی کریمﷺ رات کے ابتدائی حصہ میں آرام فرماتے تھے۔نماز پڑھنے کیلئے قیام فرماتے تھے پھر جب صبح قریب ہوجاتی تھی۔تو وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے پھر اپنے بستر ے پر تشریف لاتے تھے۔اور اگر ضرورت اور رغبت ہوتی تو اہلیہ کے پاس جا کر صحبت فرماتے۔پھر جب اذان کی آواز سنتے تو پھرتی کے ساتھ اٹھ جاتے تھے۔اگر آپﷺ جنب ہوتے تو غسل فرماتے ورنہ وضوء فرما کر نماز کیلئے (مسجد) تشریف لے جاتے تھے۔

عن صلاة الخ رات کی نماز کے بارے میں پوچھا بات کی نماز تہجد اور وتر دونوں کو شامل ہے۔یعنی یہ پوچھا کہ تہجد کتنی اور کن اوقات میں پڑھتے تھے۔نیز وتر کس وقت ادا کرتے تھے۔اول اللیل

(۱)صحیح بخاری ۱/۱۰۴ کتاب التهجد باب من نام اوّل الليل الخ، صحيح ابن حبان ۴/۱۲۷، شرح معانی الاثار، السنن الكبرىٰ للبهيقى. (مختار)

رات کے پہلے نصف تک عموماً نفل پڑھتے تھے۔فاذا کان من السحر اوتر یعنی رات کے آخری حصے میں وتر ادا کردیتے تھے۔جس سے دن رات کی ساری نمازیں وتر یعنی طاق بن جاتیں۔اور ابھی مسئلہ ایسا ہی ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ رات کے آخری حصے میں وہ جاگے گا۔تو وتر عشاء کی نماز کے ساتھ نہ پڑھے بلکہ لمن یثق بالانتباہ کیلئے وتر موخر کردینا چاہیے(۱)۔

ثمّ اتی فراشه یعنی صبح کی نماز کیلئے تازہ دم ہونے اور احیاء اللیل کا اثر زائل کرنے کیلئے قدرے آرام فرماتے(۲)۔المّ باهله یعنی ازواج کے حقوق پورا فرماتے۔آپﷺ حقوق اللہ،حقوق العباد،حقوق نفس اور حقوق الازواج سب پورا فرماتے اور اس کیلئے بہترین نظام الاوقات بنادیا تھا۔جس میں حقوق اللہ کو دیگر حقوق پر مقدم رکھا کرتے تھے۔دوسری طرف رہبانیت اور تبتل سے آپﷺ نے ہمیشہ اجتناب کیا بلکہ خلوت میں جلوت اور جلوت میں خلوت ہوتی تھی۔اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات کے اوقات میں بھی عبادت اکثر اور غالب رہتی تھی۔والاتوضّأ یعنی فجر کی نماز کیلئے یا خوب تازہ ہونے کیلئے یا وضوء علی الوضوء کی فضیلت کے حصول کیلئے وضوء کر کے سنت پڑھ لیتے تھے اور مسجد تشریف لے جاتے۔

(۵) حدّثنا قتيبة بن سعيد عن مالک بن أنس ثنا إسحاق ابن موسیٰ الأنصاری ثنا معن عن مالک عن مخرمة بن سليمان عن كريب عن ابن عبّاسؓ أنّه أخبره أنّه بات عند ميمونة وهی خالته قال فاضطجعت فی عرض الوسادة واضطجع رسول اللهﷺ فی طولها

---

(۱)اس روایت میں وتر کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی گئی۔احناف کثّر اللہ سوادھم کے ہاں وتر تین رکعات ہیں۔علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے وکان رسول اللهﷺ يوتر بثلاث يقرأ فيهنّ بتسع سور من المفصل يقرأ فی كل ركعة ثلاث سور آخرهنّ قل هو الله احد وفی رواية أنّه كان يقرأ فی الاول سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانية قل يآيها الكافرون وفی الثالثة قل هو الله احد والمعوذتين رواه ابوداؤد ۱/ ۲۰۸ والمصنف(ترمذی)(المواهب الدنية ص ۱۷۴)(مختار)

(۲)ليقوّی بها علی صلوٰة الصبح وما بعدها من وظائف الطاعات ولانّه يدفع صفرة السهر عن الوجه(جمع الوسائل ۲/ ۸۲)(مختار)

فنام رسول اللّٰهﷺ حتیٰ اذا انتصف اللیل اوقبله بقلیل فاستیقظ رسول اللّٰهﷺ فجعل یمسح النوم عن وجهه ثمّ قرأ العشر الآیات الخواتیم من سورة اٰل عمران ثمّ قام إلیٰ شن معلّق فتوضّأ منه فاحسن الوضوء ثمّ قام یصلّی قال عبداللّٰه بن عباس فقمت إلیٰ جنبه فوضع رسول اللّٰه ﷺ یده الیمنیٰ علی راسی ثمّ اخذ باذنی الیمنی ففتلها فصلّی رکعتین ثمّ رکعتین ثمّ رکعتین ثمّ رکعتین ثمّ رکعتین ثمّ رکعتین قال معن ست مرات ثمّ اوترثمّ اضطجع ثمّ جاءه المؤذن فقام فصلّی رکعتین خفیفتین ثمّ خرج فصلّی الصبح(۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گزاری۔ وہ ان کی خالہ لگتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ پس میں سرہانے کی چوڑائی والے حصہ پر سر رکھ کر سو یا۔ اور نبی کریمﷺ اس کے طول والے حصے پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ نبی کریمﷺ سوئے رہے۔ حتیٰ کہ رات آدھی بیت گئی یا اس سے تھوڑا پہلے یا تھوڑا بعد کہ نبی کریمﷺ بیدار ہو گئے۔ پھر نبی کریمﷺ اپنے رخ انور سے نیند بھگانے کیلئے اس پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات (ان فی خلق السمٰوات الخ) پڑھیں۔ پھر ایک لٹکے ہوئے مشک کی طرف بڑھے۔ پس اس سے وضوء فرمایا اور کامل وضوء فرمایا۔ پھر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں بھی (وضوء کر کے) ان کے (بائیں) جانب (آپﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے) کھڑا ہو گیا۔ حضورﷺ نے

---

(۱) صحیح بخاری ۱/۳۰ کتاب الوضؤ باب قرأة القرآن بعدالحدث، صحیح مسلم ۱/۲۶۰ کتاب صلوٰة المسافر وقصرهاباب الدعاء فی کتاب صلوٰة اللیل وقیامه، سنن ابی داؤد ۱/۱۹۹ کتاب الصلوٰة باب فی الصلوٰة اللیل، سنن النسائی ۱/۲۴۱ کتاب قیام اللیل وتطوع النهار باب ذکرمایستفتح به القیام، (مختار)

اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر مجھے میرے دائیں کان سے پکڑا اسے مروڑا (تا کہ میری نیند دفع ہوجائے یا تاکہ مجھے داھنے جانب کھڑا کردیں) پھر آپ ﷺ نے دورکعت نماز پڑھی، پھر دورکعت پڑھیں، پھر دورکعت پڑھیں پھر دو پڑھیں، پھر دو پڑھیں، پھر دو پڑھیں۔ راوی معنؒ نے چھ مرتبہ دوگانہ کا ذکر کیا۔ پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھی۔ پھر (تھوڑی دیر) لیٹ گئے۔ اس کے بعد موذّن (صبح کی نماز کیلئے) بلانے آئے تو آپ ﷺ اٹھے دورکعت مختصر قرات سے پڑھیں۔ پھر مسجد کی طرف نکلے اور صبح کی نماز پڑھی۔

ابن عباسؓ میں حضوراقدس ﷺ کے اعمال کے تعلیم وتعلم کا جذبہ: أنّـه بـات عـنـد مـيـمـونةؓ

حضرت ابن عباس اس وقت نوجوان تھے مگر دین کے تعلم کا جذبہ اور تڑپ تھی جو نبی کریم ﷺ کی عبادت کو جاننے کیلئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لے آیا۔ رات کے وقت نبی کریم ﷺ کس وقت اٹھتے ہیں اور کیا کیا معمولات کی عادت ہے۔ اس تجسس نے رات کو نیند کی حاجت بھی بھلادی۔ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ حبر الامۃ کا مقام عالی حاصل کیا۔

وھی خالته حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات تفصیل کے ساتھ ۳۱ نمبر حدیث نمبر ۲ کی ضمن میں گزر چکے ہیں۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے بھی بھانجے ہیں اور ان کے بھی ذی رحم محرم ہیں۔

فاضطجعت الخ بعض لوگوں نے وسادہ سے بسترہ لیا ہے۔ لیکن بظاہر تکیہ یا سرہانہ ہی مراد ہے یعنی ایک ہی سرہانہ یا تکیہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے طول کی جانب اس پر سر رکھدیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی جانب سے۔ سادہ سی زندگی تھی۔ زمین پر سویا کرتے تھے۔ اور سر تکیے میں بھی عموماً کھجور کی چال بھری ہوتی تھی۔ مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت میمونہؓ دونوں ایک ساتھ لیٹے۔ اور حضرت ابن عباس بھی عرض تکیہ پر سر رکھ کر سو گئے۔ اس سے اس بات کی جواز کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بیوی کے محارم میں سے کسی کی موجودگی میں اس کے ساتھ ہی بسترے پر سویا جائے اگر چہ اس کا محرم

ممیز ہو۔ کیونکہ بیوی کے ساتھ سونا اس کا حق ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس سلسلے میں بہت حساس تھے۔ بیوی سے الگ بستر ے میں سونا عجم کی عادت ہے جس کی بنا تعلّی اور تکبر پر ہے۔ لہٰذا اس کی تقلید نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ محرم ممیز کیلئے یہ بات جائز نہیں کہ میاں بیوی کی خلوت میں مخل ہو۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت میمونہ اس رات حیض کی حالت میں تھیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں مصرّ ح ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اکٹھے لیٹ کر آپ ﷺ نے تھوڑی دیر کیلئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے باتیں بھی کیں پھر سو گئے۔ جس سے سمر فی اللیل بھی ثابت ہوتا ہے۔

قیام اللیل میں مجاہدۂ نفس: یمسح النوم من وجهه یعنی نیند کا غلبہ ہٹانے کیلئے چہرے پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو نیند کا تقاضا بھی ہوتا تھا۔ اشتیاق بھی تھا۔ لطف اور مزہ بھی نیند میں ملتا تھا۔ یہ نہ تھا کہ نیند نہ آئی تو اٹھ کر تہجد پڑھی۔ بلکہ نفس کے ساتھ مقابلہ اور مجاہدہ کرنا پڑتا تھا۔

اسی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا کہ ان ناشئة الليل هی أشد وطأ وأقوم قيلا (مزمل ٦) یعنی رات کو اٹھنا سخت روندنے والی چیز یعنی بھاری ریاضت ہے۔ اور اس میں بات سیدھی نکلتی ہے۔ یعنی ذکر کرتے ہوئے دل و زبان موافق ہوتے ہیں اور عبادت کا یہی مفہوم ہے کہ نفس کے تقاضوں کو چھوڑ کر اسے خالق کا تابع بنانے کیلئے اس کے ساتھ جہاد کرو۔ العشر الایات الخ یعنی ان فی خلق السمٰوت والارض (الایة) دس آیتیں پڑھتے ان آیات میں آفاقی اور انفسی دلائلِ توحید کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ اور انسانی تدبر و تفکر کو دعوت دی گئی ہے۔ نیند سے جاگ کر گویا انسان کو نئی زندگی ملتی ہے۔ لہٰذا اٹھتے ہی اسے آیات اللہ میں تدبر و تفکر کرنا چاہیے۔ کہ دنیا و کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود و وحدانیت کے کتنے لاتعداد دلائل ہیں۔ سائنس کے جدید انکشافات سے تو اور بھی ان کی دلالت واضح ہو چکی ہے۔

ثمّ قام إلیٰ شنّ معلّق شن پرانے مشک کو کہتے ہیں۔ جس کا پانی زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مسامات زیادہ کشادہ ہوتے ہیں۔ بالخصوص جب اسے لٹکایا جائے۔ فتوضا منها ایک نسخہ میں منہ آتا ہے جو ظاہر ہے لیکن اگر شن کی تاویل قربة سے کی جائے تو مؤنث کی ضمیر راجع کرنا بھی جائز ہے۔ فاحسن

الوضوء یہاں پر اسباغ اور اکمال کو احسان الوضوء سے تعبیر کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ فتوضا وضوء اً احسناًبین الوضوء من لم یکثر وقد ابلغ۔ یعنی پانی بھی زیادہ استعمال نہیں کیا لیکن اعضاء مکمل دھولئے۔ فقمت الی جنبہ مسلم اور بخاری میں تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے وضوء کر کے نیت باندھی۔

ابن عباسؓ کے کان مروڑنے کی حکمتیں: ایک روایت میں آتا ہے فقمت عن یسارہ ففتل الخ نبی کریمﷺ نے اس کا کان مروڑ کر اسے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ اس حدیث میں اس قصہ کی تفصیل موجود ہے۔ جس کا ذکر گزشتہ باب کے حدیث نمبر ۴ میں اجمالاً ذکر کیا گیا تھا۔ سر پر ہاتھ رکھنے اور کان مروڑنے کی وجہ کیا تھی؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہاتھ رکھنے کی برکت سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نبی کریمﷺ کے اقوال وافعال خوب یاد ہو جائیں۔ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نیند اڑ جائے اور بیدار ہو کر حالات کا خوب ادراک کر سکیں۔ بائیں جانب کھڑے ہو کر مخالفت سنت پر اس کو تنبیہ ہو جائے اور تاکہ بائیں سے دائیں جانب آنے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ آپﷺ کی اطاعت کریں۔

علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ معلم شاگرد کو کان سے پکڑ کر تھوڑا مروڑے تو اس سے شاگرد میں ذکاوت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہو گئے میں ساتھ کھڑا ہو گیا تو انہوں نے میرا کان پکڑ کر مروڑا مجھے اس سے تعجب ہوا۔ لیکن بعد میں جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مجھے معلوم ہوا تو پتہ چلا کہ امام رحمہ اللہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس کی کوئی اصل نہ ہو۔

قال معن ست مرات چھ مرتبہ دو دو رکعت کا ذکر کیا یوں آپﷺ نے بارہ رکعت تہجد کے پڑھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ تہجد میں افضل یہ ہے کہ بارہ رکعت پڑھی جائیں۔ ویسے اس میں توسع ہے جتنی بھی سہولت اور نشاط میں پڑھی جائیں کافی ہیں۔

ثم اضطجع نبی کریمﷺ رات کے آخری چھٹے حصے میں آرام فرماتے تھے۔ تاکہ صبح کی نماز

کیلئے تازہ دم ہوسکیں اور رات کی تھکاوٹ دور ہو(۱)۔

(۱)فجر کی سنتوں کے بعد استراحت: فجر کی سنتوں کے بعد استراحت کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے الضجعة بعد رکعتی الفجر قداختلف فیهاالصحابة والتابعون ومن بعدهم علی ثمانية اقوال(۱)الاول إنّها سنة وإليه ذهب الشافعي وأصحابه قال النوويؒ فی شرح المهذب هوالمختار(۲)والثانی: إنّها مستحبة وروئ ذلک عن جماعة من الصحابة منهم أبوموسیٰ، رافع بن خدريج وأبی هريرة وأنس وروی عن فقهاء المدينة السبعة وابن سيرين(۳)والثالث: انّها واجبة لاتصحّ الصلوٰة الفجربدونهاوهوقول ابن حزم فقد جعلها شرطاً فی صحة صلوٰة الصبح وقدبالغ ابن العراقی فی شرح التقريب فی الرّدعليه وقال هذا غلوّ فاحش..الخ (۴)الرابع: إنّهابدعة وروی عن ابن مسعود وابن عمروالأسودابن يزيدوابراهيم النخعي..واليه ذهب مالک من الائمة وحكاه القاضی عياض عنه وعن جمهورالعلماء(۵)والخامس: إنّهاخلاف الأولیٰ روی عن الحسن البصری(۶)السادس: انّها ليس مقصودة لذاتها وانّما الغرض الفصل امّا بضجعة أوحديث أوغيرهاوحكی ذلک عن الشافعي (۷)السابع: انّهامستحبه فی البيت دون المسجدويروی عن ابن عمرويقول الحافظ فی الفتح وقواه بعض شيوخنا (۸)الثامن: إنّهامستحبة لمن يقوم الليل لأجل الاستراحة لامطلقاً واختاره ابن العربی ويشهدله حديث عائشة عندعبدالرزاق والطبرانی لم يضطجع سنة ولكنّه كان يدأب ليلة فيستريح(معارف السنن ۴/۶۸تا۶۹) مذهب الحنفية كما يقول ابن عابدين فی ردالمحتار.

ان آٹھ اقوال میں احناف کا مذہب آٹھویں قول کے موافق ہے اس لئے کہ احناف فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی سنت عادیہ ہے سنت تشریعیۃ نہیں۔علامہ شامیؒ نے لکھا ہے وحاصله أنّ اضطجاعه عليه الصلوٰة والسلام إنّماكان فی بيته للاستراحة لاللتشريع(ردالمحتار ۲/ ۲۱) البتہ جہاں تک حدیث امر عن ابی هريره اذاصلیٰ احدكم ركعتی الفجر فليضطع علی جنبه الايمن کا تعلق ہے تو اس بارے میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے وإنّ صحّ حديث الأمر بهاالدال علیٰ انّ ذلک للتشريع يحمل علی طلب ذلک فی البيت فقط توفيقاً بين الأدلة(ردالمحتار ۲/ ۲۱) اورمزید لکھا ہے فالمطلق محمول علی المقيدعلی أنّه لوكان هذا فی المسجد شائعاً فی زمانه ﷺ لماكان يخفی علی هولاء الاكابرالأعيان أرادبالمقيدمامرّمن قوله بعدركعتی الفجرفی بيته(ردالمختار ۲/ ۲۱) مذہب احناف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اضطجاع کا یہ عمل کب ثابت ہے۔تو اس بارے میں امام زہریؒ(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ نفل میں شریک ہو گئے تھے۔ ہمارے احناف نے یہ کہا ہے کہ نفل کی جماعت علی سبیل التداعی ہو تو مکروہ ہے۔ بعض فتاویٰ میں یہ جائز ہے۔ تین ہوں تو اختلاف ہے اور اگر مقتدی چار ہو جائیں تو باتفاق احناف مکروہ ہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب.

(۲) حدّثنا أبو کریب محمّد بن العلاء ثنا وکیع عن شعبة عن أبی جمرة عن ابن عباس قال کان النبیّ ﷺ یصلّی من اللیل ثلث عشرة رکعة(۲) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۹) کے شاگردوں کا اختلاف ہے۔ امام اواعی ،ابن ابی الذئب عُقیل، یونس، شعیب اور ان کے اکثر شاگردوں نے یہ نقل کیا ہے یہ لیٹنا رکعتی الفجر کے بعد ہوتا ہے جبکہ امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے۔۔۔ثمّ اوتر ثمّ اضطجع حتّیٰ جاءہ المؤذن فصلّیٰ رکعتین خفیفتین ثمّ خرج فصلّی الصبح(مؤطاامام مالک ص ۱۰۴) یعنی یہ لیٹنا رکعتی الفجر سے پہلے ہوا کرتا تھا۔حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ دوسرے اہل علم نے امام زہریؒ کے دوسرے تلامذہ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں مگر امام مالکؒ کی روایت کو ترجیح ہو جانے کے بعد حنفیہ کے اس قول کی اور زیادہ تائید ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اضطجاع صلوٰۃ اللیل سے تعب کی بناء پر تھا۔ اور آپ ﷺ کے اس عمل کی حیثیت سنت عادیۃ کی سی تھی نہ کہ سنت تشریعی کی سی۔(مختار)

(۱) ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے اقول وقد صرّح فی الفروع اتفاق الفقهاء لکراهیة الجماعة فی النوافل اذاکان سوی الامام اربعة قال فی الکافی إنّ التطوع بالجماعة انّما یکره إذاکان علی سبیل التداعی واما لو اقتدیٰ واحد بواحد او اثنان بواحد لایکره وان اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه وان اقتدیٰ اربعة بواحد کره اتفاقاً واما ماذکره فی شرح النقایة من جواز الجماعة فی النوافل مطلقاً نقلاً عن المحیط وکذا ماذکر فی الفتاویٰ الصوفیة ونحوهما فمحمول علی أنّ المراد بالجواز الصحة وهی لاتنافی الکراهة (جمع الوسائل ۸۶/۲)(مختار)

(۲) صحیح بخاری ۱۵۳/۱ کتاب التهجد باب کیف صلوٰة النبیّ ﷺ ،صحیح مسلم ۲۶۱/۱ کتاب صلوٰة المسافرین وقصرها باب الدعا فی صلوٰة اللیل وقیامه، سنن النسائی باب الوتر ثبلاث عشرة رکعة ۲۵۱/۱ کتاب الصلوٰة ، جامع ترمذی ۱۰۰/۱ کتاب الصلوٰة باب منه.(مختار)

صلوٰۃ اللیل میں تعداد رکعات: ثلاث عشرۃ رکعۃً اس سے قبل بارہ رکعت تہجد کا ذکر ہے اور وتر کے ساتھ پندرہ بنتے ہیں۔اور یہاں مجموعہ تیرہ بتایا گیا ہے۔لہٰذا تہجد دس اور وتر کی تین رکعتیں ہوئیں تو گویا آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں حسب گنجائش مختلف تعداد میں تہجد کی نماز پڑھی ہے۔

احناف کے نزدیک صرف آٹھ رکعت پڑھنے پر بھی اکتفاء جائز ہے کیونکہ اگر مجموعہ تیرہ ہو تو اس میں سے تین وتر اور دو فجر کی سنتیں بھی ہوسکتی ہیں۔لہٰذا تہجد کی کل آٹھ رکعتیں باقی بچیں۔لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارہ رکعتوں والا قول مختار ہے۔جیسا کہ بعد کی روایت میں آتا ہے۔

(۷) حدّثنا قتیبة بن سعیدثنا ابو عوانة عن قتادة عن زرارة بن اوفی عن سعد بن هشام عن عائشة أنّ النبیّ ﷺ کان اذا لم یصل باللیل منعه من ذلک النوم اوغلبته عیناه صلّی من النّهار ثنتی عشرة رکعة(۱).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات کو تہجد نہ پڑھ سکتے۔نینداس کے لئے رکاوٹ بنتی یا یہ کہا کہ آنکھ لگ جاتی تو (تہجد کے بدلے) دن کو بارہ رکعت نفل پڑھ لیتے تھے۔

منعه من ذالک النوم یعنی نیند کی وجہ سے رہ گئیں۔**اوغلبته عیناه** راوی کا شک ہے کہ الفاظ کونسے تھے لیکن مطلب دونوں کا ایک ہے(۲)۔**صلّیٰ من النّهار الخ** اس میں ایک تو اس بات پر تنبیہ ہے کہ آپ ﷺ عبادۃ کا کتنا اہتمام کرتے تھے۔کہ قضاء نہیں ہونے دیتے تھے۔اگر رات کو تہجد قضاء

---

(۱)صحیح مسلم ۱/۲۵۶ کتاب صلوٰة المسافرین وقصرهاباب ماجاء فی صلوٰة اللیل ومن نام عنه جامع ترمذی کتاب الصلوٰة باب اذانام عن صلوته باللیل صلّیٰ بالنهار، سنن النسائی ۱/۲۵۵ کتاب قیام اللیل وتطوع النهار باب کم یصلّی من نام عن الصلوٰة اومنعه.(مختار)

(۲)علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے کہ فالمقصودبه بیان سبب عدم صلوته فی اللیل أو للشک من الراوی أو للتقسیم والفرق بینهما أن الاوّل محمول علی ماإذااراد النوم مع امکان ترکه اختیاراً والثانی محمول علی ماإذاغلبه النوم بحیث لایستطیع دفعه(المواهب اللدنیة ۱۷۶)(مختار)

ہوجاتی تو دن کو اس کا اعادہ فرماتے (۱) اور ساتھ ساتھ اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو تقویۃ بھی ملتی ہے کہ نماز تہجد کی رکعات کی تعداد بارہ ہے۔ جیسا کہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے باقی وتر کی قضاء اس حدیث سے بطریق اولیٰ معلوم ہورہی ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ وتر کو کبھی قضاء نہ ہونے دیتے تھے یا قضاء کی صورت میں صبح کی نماز سے پہلے ہی قضاء کر لیتے تھے۔ دن تک نہیں رہنے دیتے تھے۔

(۸) حدّثنا محمّد بن العلاء انا ابو اسامة عن هشام يعني ابن حسان عن محمّد ابن سيرين عن أبي هريرة عن النبيّ ﷺ قال اذا قام احدكم من الليل فليفتتح صلوٰته بركعتين خفيفتين(۲).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی رات کو تہجد کیلئے اٹھے تو اپنی نماز کی ابتداء دو مختصر رکعتوں کے ساتھ کرے۔

عبادت میں تدریج وتخفیف: فليفتتح الخ کوئی بھی کام شروع کرنا ہو تو فطری طور پر اس میں ابتداءً تخفیف ہونی چاہیے۔ گاڑی بھی آہستہ رفتار سے چل کر بتدریج تیز ہوتی جاتی ہے تو نبی کریم ﷺ بھی عبادت میں ایک نفسیاتی طریقے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ کہ پہلے دو رکعتیں خفیف پڑھ لو۔ پھر آہستہ آہستہ طبیعت میں نشاط اور آمادگی پیدا ہوجائیگی۔ نیز شیطان کا جو اثر ہوتا ہے۔ وہ بھی زائل ہوجاتا ہے۔ اور سستی زائل ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد نفس پر بوجھ بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد سے قبل دو رکعت تحیۃ الوضوء کا حکم دے رہے ہیں۔ جو

(۱) ملاعلی قاریؒ نے اس روایت سے دو مسائل کا استنباط کیا ہے لکھتے ہیں وفيه دليل على جواز قضاء النافلة بل على استحبابه لئلا يعتاد النفس بالترك وعلى أنّ صلوٰة الليل ثنتاعشرة ركعة كماهو المختار عندابي حنيفة(جمع الوسائل ۲/ ۸۸)(مختار)

(۲) صحيح مسلم ۱/ ۲۶۲ كتاب صلوٰة المسافرين وقصرها باب الدعا في صلوٰة الليل وقيامه، شرح السنة للبغوي كتاب الصلوٰة رقم الحديث ۹۰۷، سنن ابي داؤد ۱/ ۱۹۴ كتاب الصلوٰة باب افتتاح صلوٰة الليل بركعتين، السنن الكبرىٰ للبيهقي ۳/ ۶ كتاب الصلوٰة (مختار)

مختصر قرات کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ جبکہ بعض شراح نے وتر سے پہلے دو رکعتوں پر اس حدیث کو حمل کیا ہے لیکن صلوٰۃ اللیل کو وتر کے ساتھ منحصر کرنا بعید معلوم ہو رہا ہے جبکہ یہاں پر مطلق صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ لہٰذا تہجد کی نماز سے پہلے کی دو نفل لینا اولیٰ ہے۔

(۹)حدّثنا قتیبة بن سعید عن مالک بن أنس ثنا إسحاق بن موسیٰ ثنا معن ثنا مالک عن عبداللّٰہ بن أبی بکر عن أبیه أنّ عبداللّٰہ بن قیس بن مخرمة أخبره عن زید بن خالدالجهنّی أنّه قال لا رمقنّ صلوٰة رسول اللّٰہ ﷺ فتوسدت عتبته اوفسطاطة فصلّیٰ رسول اللّٰہ ﷺ رکعتین خفیفتین ثمّ صلّیٰ رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین ثمّ صلّیٰ رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم صلّیٰ رکعتین وهما دون اللتین قبلهماثمّ صلّیٰ رکعتین وهما دون اللتین قبلهما ثم صلّیٰ رکعتین وهمادون اللتین قبلهماثمّ اوترفذلک ثلث عشرة رکعة(۱).

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات کو یہ ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو آج غور سے ضرور دیکھوں گا۔ میں آپ ﷺ کی چوکھٹ پر یا یہ کہا کہ آپ ﷺ کے خیمہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے (پہلے) دو مختصر رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں خوب طویل پڑھ لیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھ لیں جو کہ پہلے طویل رکعتوں سے کم تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھ لیں جو کہ ان سے پہلے پڑھی جانیوالی دو رکعتوں سے کم تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو کہ ان پہلے پڑھی جانے والی دو رکعتوں سے بھی کم تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھی جو ان پہلے پڑھی جانے والی دو رکعتوں سے بھی کم تھیں۔ پھر وتر پڑھیں تو یہ تیرہ رکعتیں ہو گئیں۔

---

(۱)صحیح مسلم ۱/۲۶۲ کتاب صلوٰة المسافرین وقصرهاباب الدعافی صلوٰة اللیل وقیامه، سنن ابی داؤد ۱/۲۰۰ کتاب الصلوٰة باب صلوٰة اللیل، سنن ابن ماجة ص۹۷ کتاب اقامة الصلوٰة والسنة فیها باب ماجاء فی کم یصلّی باللیل. (مختار)

زید بن خالد: زیدبن خالد الجھنّی رضی اللّٰہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ابوزرعہ،ابوعبدالرحمان یا ابوطلحہ کنیت تھی۔صلح حدیبیہ میں شریک رہے۔فتح مکہ کے دن اپنے قبیلہ جھینہ کے علمبردار تھے۔۹۷ھ میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی جبکہ بعض نے تاریخ وفات ۶۸ھ تحریر کی ہے۔مدینہ میں وفات پائی (۱)۔

لارمقنّ (۲) صلوٰۃ الخ دینی علوم کے بارے میں صحابہ کے حرص اور تجسس کا بہترین نمونہ اس حدیث میں موجود ہے۔جب بھی موقع ملا تو اپنے منہوم فی العلم ہونے کا ثبوت دیا۔

گھروں میں تاک جھانک: فتوسدت عتبتہ توسد کے معنی وسادہ بنانا یعنی بطور سرہانہ استعمال کرنا ہے۔عتبۃ دروازے کی چوکھٹ کی نچلی پٹی کو کہتے ہیں لیکن اس سے گھر کا دروازہ مراد نہیں کیونکہ اس قسم کا تجسس تو ممنوع ہے کہ کسی کے گھر کے اندر جھانکا جائے اگرچہ مقصد نیک ہو لیکن ناجائز ہے۔بلکہ باہر سے تین بار اجازت لینا ضروری ہے۔اگر جواب نہ ملے یا نفی میں ملے تو واپس لوٹنا لازم ہے۔اس لئے عتبہ سے مراد بھی خیمے کے دروازے کی چوکھٹ ہے اور یہ کسی سفر ہی کا واقعہ ہے۔اسی احتمال کو ملا علی قاری،علامہ مناوی اور علامہ بیجوری رحمہم اللہ نے ظاہر کہا ہے۔

بہرحال صحابہ آپ ﷺ کے گھر میں تاک جھانک نہیں کرتے تھے۔بلکہ چونکہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ اسفار میں اور گھر سے باہر بھی گزرا ہے۔جن میں جہاد، حج اور عمرے کے اسفار قابل ذکر ہیں۔تو ایسے دنوں میں صحابہ کرام آپ کی عبادت اور اعمال معلوم کرنے کے متلاشی ہوتے تھے۔ عتبتہ او فسطاطہ عتبہ چوکھٹ کو کہتے ہیں اور فسطاط بڑے خیمے کو کہتے ہیں۔دوسری صورت میں بھی عتبہ کا لفظ مقدر رہیگا۔یعنی او عتبۃ فسطاطہ۔یعنی خیمے کی چوکھٹ پر۔راوی کو یہاں شک ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی عبادت شب کے کچھ نمونے: بہرحال آپ ﷺ جہاں مقیم تھے۔اس مکان کے دروازہ یا اس خیمے کے دروازے پر آپ ﷺ کی نماز کا انتظار کرنے لگا۔فذالک ثلث عشرہ رکعۃ الخ اس سے قبل بارہ رکعت کا ذکر کیا۔اور اب وتر کے ساتھ تیرہ رکعت بتائے گئے۔یہاں یہ بات

---

(۱) کذافی الاصابۃ وقال عبدالروف المناویؒ مات ۸۸ھ ولہ ۸۵ سنۃ واللّٰہ اعلم.

(۲) الرمق ھوبہ النظر إلی الشیٔ علی وجہ المراقبۃ والحافظۃ (المواھب اللدنیۃ ۱۷۷)

کہ وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعت، محل بحث نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ کتاب الصلوٰۃ میں خوب تحقیق کے ساتھ گزر چکا ہے۔ یہاں آپ ﷺ کی عبادت کا محض ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ لہٰذا وتر کے ساتھ تیرہ رکعت مقصود ہو۔ تو تہجد دس رکعت بنتے ہیں۔ اور پہلے کے دو رکعت تحیۃ الوضوء ان میں شمار نہیں ہیں۔ بصورت دیگر بارہ رکعت تہجد کے ساتھ تین رکعت ملا کر کل پندرہ رکعت بنتے ہیں۔

(۱۰) حدّثنا إسحٰق بن موسیٰ ثنا معن ثنا مالک عن سعید بن أبی سعید المقبری عن أبی سلمة بن عبدالرحمان أنّه أخبره أنّه سأل عائشة کیف کان صلوٰة رسول اللّٰه ﷺ فی رمضان فقالت ماکان رسول اللّٰه ﷺ لیزید فی رمضان ولافی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلّی اربعا لاتسال عن حسنهنّ وطولهنّ ثمّ یصلّی اربعا لاتسال عن حسنهنّ وطولهنّ ثمّ یصلّی ثلاثا قالت عائشة قلت یارسول اللّٰه أتنام قبل ان توتر قال یا عائشة إنّ عینی تنامان ولاینام قلبی(۱).

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد رمضان میں کیسی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ گیارہ رکعت تہجد سے زیادہ نہ تو رمضان میں پڑھتے تھے اور نہ غیر رمضان میں۔ آپ اولاً چار رکعت نماز (ایک سلام سے) پڑھتے تھے۔ ان چار رکعتوں کے حسن کا اور طول کا مت پوچھنا۔ پھر مزید چار رکعت نفل پڑھتے تھے۔ ان چار رکعتوں کے حسن اور طول کا مت پوچھنا۔ پھر تین رکعت (ایک سلام سے) پڑھتے

---

(۱) صحیح بخاری ۱/۱۵۴ کتاب التهجد باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیره، صحیح مسلم ۱/۲۵۴ کتاب الصلوٰة المسافرین وقصرهاباب صلوٰة اللیل وعددرکعات النبی ﷺ فی اللیل، سنن ابی داؤد ۱/۱۹۶ کتاب الصلوٰة باب فی الصلوٰة اللیل، سنن النسائی ۱/۲۴۸ کتاب قیام اللیل وتطوع انهارباب کیف الوتربثلاث(مختار)

تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔کہ کیا آپ ﷺ نماز وتر سے پہلے بھی سوتے ہیں (کیا وہ اس طرح قضاء نہیں ہونگی) تو آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے (یوں قضاء ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا)

<u>نماز تہجد کے رکعات اور اضطراب روایات:</u> **کیف کانت صلوٰۃ الخ** یہاں پر نماز تہجد کے بارہ میں سوال کیا گیا ہے جو کہ نیند کے بعد ادا کی جاتی ہے۔اس لئے آپؓ نے جواب دیتے وقت ''ولا فی غیرہ'' کا اضافہ کردیا ہے۔اب نیند سے قبل پڑھی جانے والی نماز جو کہ تراویح کی صورت میں آپ نے پڑھی تھیں گیارہ سے زیادہ ہوسکتی ہیں۔چنانچہ اس حدیث سے تراویح کے آٹھ ہونے پر استدلال لغو ہے۔وہ الگ نماز ہے اور جمہور صحابہ کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔کہ وہ بیس رکعت پڑھی جائیں گی۔اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے(۱)۔یہاں پر سوال کا منشا اصل میں یہ تھا کہ چونکہ رمضان شریف میں نبی کریم ﷺ عموماً عبادت میں عام دنوں کی نسبت اضافہ فرماتے تھے۔لہٰذا ابوسلمہؓ نے رمضان شریف میں تہجد کے بارے میں دریافت کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان شریف میں بھی آپ ﷺ کی نماز تہجد معمول کے مطابق ہوتی تھی۔

---

(۱) اور یہی بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔بعض لوگ اس سے انکار کرتے ہیں مگر ان کا انکار کم فہمی اور لاعلمی پر مبنی ہے۔افادہ کے لئے ناچیز کا ایک تفصیلی فتویٰ جو ماہنامہ الحق میں شائع ہوا ہے۔یہاں پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

<u>رسول اللہ ﷺ سے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھنے کی تحقیق</u>

محترم جناب ایڈیٹر ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

جناب! ماہنامہ الحق ستمبر ۲۰۰۴ جلد نمبر ۳۹ ص ۳۴ میں درج ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس ۲۰ رکعات تراویح کی نماز ادا فرمائی ہے......حالانکہ علمائے احناف اس کے خلاف فرماتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہؒ: آپ ﷺ نماز عشاء سے لے کر نماز فجر تک آٹھ رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے (کتاب الآثار ص ۲۶)

۲۔امام محمد تلمیذ ابوحنیفہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں یا اس کے علاوہ گیارہ رکعات پر اضافہ نہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

احدیٰ عشر رکعة بعض دیگر روایات میں تیرہ رکعات اور بعض میں اس سے بھی زیادہ کا ذکر موجود ہے بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر گئی ہے۔جس میں بارہ رکعات تہجد کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو کبھی فوت ہونے کے بعد آپ دن کو بارہ رکعات پڑھ لیتے تھے۔اور بارہ رکعات کے ساتھ وتر کی تین رکعات ملائی جائیں تو پندرہ بنتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۶) کرتے تھے (موطاء امام محمد مترجم ص۱۲۲) ۳۔ امام ابن ہمام حنفیؒ: ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعات ہے (ص۶۰۷ ج۱) ۴۔ علامہ بدرالدین عینیؒ: (عمدہ القاری ص۱۷۷ ج۱) ۵۔ ملاعلی قاری حنفیؒ: (مرقاۃ المفاتیح ص۱۹۶، ج۱) ۶۔ مولانا عبدالحیٰ لکھنویؒ : (التعلیق الممجد ص۱۶۱) ۷۔ انورشاہ کاشمیریؒ (العرف الشذی ص۱۶۶ج۱)

۸۔جلال الدین السیوطی: (المصابیح فی رکعات التراویح ص۱۶۔۹۔ عبدالحق دہلوی: (ماثبت بالسنۃ ص۲۱۷ ۱۰۔قاضی شمس الدین (القول الفصیح ص۵) ۱۱۔ طحطاوی شرح درمختار جلدنمبر۱ص۲۹۵ ان النبی ﷺلم یصلها عشرین بل ثمانیاً ۱۲۔ ابوالسعود شرح کنزالدقائق ص۲۶۵۔ج۱مصری لأن النبی ﷺلم یصل عشرین بل ثمانیاً. ۱۳۔ الشیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب "فتح سرالمنان فی تائید مذہب النعمان" کے صفحہ نمبر۳۲۷ میں لکھتے ہیں۔ ولم یثبت روایة عشرین منه ﷺ کما هوالمتعارف :(مروجہ ۲۰ رکعت نبی ﷺ سے ثابت نہیں......) تو جناب آپ کے پاس کوئی نص ہے تو بندہ کی رہنمائی فرمائیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ۲۰ رکعت تراویح ادا کی ہے۔امید ہے ضرور جواب دیں گے۔ دعاگو عبیدالرحمان یزدانی (لائبریرین)

الجواب وبالله التوفیق

آنجناب کا والا نامہ بتاریخ ۱۹/۱۰ اکتوبر۲۰۰۴ء بمطابق ۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کو موصول ہوا۔ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آنجناب نے احقر کے مضمون کا بغور مطالعہ کیا ہے۔اور پھر ایک مقام (آنحضرت ﷺ نے خود بنفس نفیس بیس رکعت تراویح پڑھی ہے) کے اصل ماخذ کے بارے میں مزید وضاحت طلب کی۔اور اس روایت کو رد کرنے کے لئے چند اقوال اور بعض کتابوں کے حوالجات بھی تحریر فرمائی ہے۔آنجناب نے جس حدیث کے بارے میں وضاحت طلب کی ہے وہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ۲/۳۹۴ اور سنن بیہقی ۲/۴۹۶/ باب ماروی فی عدد رکعات الصیام فی شهر رمضان میں مذکورہ ہے۔مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: حدّثنا یزید بن هارون أخبرنا إبراهیم ابن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ أنّ رسول اللهﷺ کان یصلّی فی رمضان عشرین رکعة والوتر (مصنف ابن ابی شیبۃ۲/۳۹۴) (بقیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۷)اور سنن بیہقی میں یصلی فی رمضان بغیر جماعة عشرین رکعة والوتر کے الفاظ مذکور ہے۔اسی طرح اس روایت کو عبد بن حمید نے مسند عبد بن حمید میں‘ علامہ بغویؒ نے اپنی شرح السنۃ میں اور امام طبرانیؒ نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے (التعلیق الحسن علی آثار السنن ۲۵۴ واعلاء السنن ۸۲/۷) مگر عموماً اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں‘ اور گمان غالب ہے کہ آنجناب نے بھی اسی اعتراض کی وجہ سے مضمون میں درج شدہ مفہوم حدیث کے اصل مأخذ کی وضاحت طلب کرنے کے لئے مکتوب ارسال فرمایا‘ اور یہ بات قرین قیاس ہے۔اس لئے کہ جب کسی کو اس مسئلہ کے بارے میں اتنی کتابوں کا علم ہو تو اس کو اس روایت کا اصل مأخذ کیسے معلوم نہ ہوگا‘ لازماً اسی اعتراض کی وجہ سے مضمون میں یہ روایت انوکھی لگی‘ مگر اس اعتراض کی حقیقت اور جواب سے قبل چند مقدمات کو ذہن نشین کرنا نہایت ہی ضروری ہے‘ جب ہی اشکال واعتراض کی حقیقت معلوم ہوگی تو جواب سمجھ میں آئیگا۔ (1) مقدمہ اولیٰ: کسی حدیث کے قابل عمل ہونے کے لئے صرف اس حدیث کی سند کا صحیح ہونا ضروری نہیں یہ اس لئے کہ اگر اس شرط کو ضروری قرار دیا جائے تو پھر بہت ساری احادیث کا ترک کرنا لازم آئے گا‘ حالانکہ ان احادیث مبارکہ کو باوجود سند کے اعتبار سے غیر صحیح ہونے کے فقہاء کرام اور محدثین عظام نے معمول بہ بنائے ہیں۔اور اسی پر عمل کر کے چلے آرہے ہیں۔مثلاً (۱) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ لاوصیة لـــــوارث (الحديث) کہ وارث کے لئے وصیت نہیں۔اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اہل حدیث ثابت نہیں کہتے۔لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے۔اور اس پر عمل کرتے ہیں۔یہاں تک انہوں نے اس حدیث کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

(۲) اسی طرح العينان وكاء السه (الحديث) آنکھیں سرین کے تسمے ہیں۔یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے مگر اس کے باوجود بعض محدثین اور فقہاء کرام نے اس کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

(۳) اس کے علاوہ الماء طهور لاينجسه شئي إلّاماغلب علی ريحه اوطعمه (الحديث) کے بارے میں امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے‘ مگر اس کے باوجود اہل مدینہ اور دوسرے فقہاء کرام نے اس کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

(۴) اسی طرح کہ من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقداتی باباً من ابواب الكبائر (ترمذی ۳۰۳/۱) اس روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: قال ابو عيسى حنش هذا (بقیہ اگلے صفحے پر)

حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت میں تیرہ رکعات کا ذکر ابھی ابھی گزر چکا ہے۔ بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں تیرہ رکعات کا ذکر بھی آیا ہے۔تو گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات اس باب میں مضطرب ہیں۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ بارہ رکعتوں والی روایات کو ترجیح دی جاتی ہے۔کیونکہ وہ غیر مضطرب ہیں یا پھر دونوں میں تطبیق کی جائیگی۔یوں کہ تہجد میں اکثر اوقات میں آپ ﷺ کی عادت بارہ رکعات پڑھنے کی تھی۔لیکن کبھی کبھی آٹھ پر اکتفاء بھی کر لیتے تھے۔اور ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں عام معمول یہی ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۸)ھو بو علی الرحبی وھو حنش بن قیس وھو ضعیف عنداھل الحدیث ضعّفه احمد وغیرہ لیکن اس کے باوجود والعمل علی ھذا عنداھل العلم ان لایجمع بین الصلاتین إلاّ فی السفر اوبعرفة (الجامع الترمذی ۱/۳۰۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں: حنش یہ بوعلی الرجی ہے اوراس کا نام حسین بن قیس ہے اور یہ راوی محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ امام احمد اور دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے اس کی تضعیف کی ہے۔لیکن اس کے باوجود اہل علم کا اس پر عمل ہے اوران کے ہاں سفراور عرفہ کےعلاوہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔

(۶) اسی طرح کہ طلاق الامة ثنتان وعد تها حیضتان (الحدیث) اس روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث غریب والعمل علیه عندأهل العلم من اصحاب رسول الله ﷺ وغیرهم ترمذی اورامام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ قال قاسم و سالم عمل به المسلمون وقال مالک شهرة الحدیث بالمدینة تغنی عن صحة سنده (۲/۴۴۱)

یہ حدیث غریب ہےاوراس پرآنحضرت ﷺ کے اہل علم صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کا عمل ہے،امام قاسم اور امام سالم کہتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا عمل ہےاورامام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں کسی حدیث کی شہرت سند کی صحت سے مستغنی کردیتی ہے۔اسی طرح امام ترمذیؒ نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اسپر اہل علم کا عمل ہے۔اورآج تک ان پر عمل چلا آرہا ہے۔

(2) مقدمہ ثانیہ: دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس طرح حدیث مبارک سند کی وجہ سے درجہ صحت اور درجہ حسن تک پہنچتا ہے تو اسی طرح امت مسلمہ کے تلقی بالقبول سے بھی وہ روایت باوجود سنداً ضعیف ہونے کے درجہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حسن وطول صلوٰۃ: لاتسأل الخ یہ حسن میں مبالغہ کا بیان ہے اور نماز میں حسن اور عدم حسن انہی کو معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ نماز کے عشاق ہیں۔ ان کو لذتوں اور نماز کے دقائق معلوم ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کیلئے نماز کی دنیا دوسری دنیا تھی۔ تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارش میں وہ نماز پڑھتے تو حرکت نہیں کرتے تھے۔ یصلی اربعاً یہ چونکہ نفل ہیں۔ اس لئے ان کو دو دو پڑھنا اور چار چار پڑھنا برابر ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۹) صحت وحسن کا مقام پالیتا ہے' اسی لئے محدثین عظام نے فرمایا ہے: قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح (تدریب الراوی ۱/۶۷) بعض نے کہا ہے کہ حدیث پر صحیح کا حکم اس وقت بھی لگایا جائے گا۔ جب امت اس کو قبول کرے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو۔

اور اسی وجہ سے محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر ۱/۴۶۱) میں فرمایا ہے کہ اذا تأيد الضعيف بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحاً کہ جب کسی ضعیف روایت کی صحت پر قرائن شرع دال ہوں تو وہ حدیث صحیح ہے۔

اور اسی بناء پر محدثین اور فقہاء نے کافی سارے ذخیرہ احادیث کو صحیح کہا ہے اور ان کو معمول بہا قرار دیا ہے۔

۱۔ مثلاً الاستذکار میں علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ لما حكى عن الترمذی انّ البخاری صحّح حديث البحر هوالطهور ماؤه واهل الحديث لا يصححون مثل اسناده لكن الحديث عندی صحيح لان العلماء تلقوه بالقبول (بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن/۶۱۔ وتدریب الراوی ۱/۶۵) 'امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ البحر هوالطهور ماءه کو صحیح فرماتے ہیں اور دوسرے محدثین اس روایت کو سند کی وجہ سے صحیح نہیں کہتے مگر میرے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اس لئے کہ علماء نے اس روایت کو قبول کیا ہے

۲۔ اسی طرح علامہ محقق ابن ہمامؒ ۔ قول الترمذی (والعمل عليه عنداهل علم) يقتضى قوة أصله وإن ضعف خصوص من هذه الطريق (فتح القدیر ۱/۲۱۷) کہ امام ترمذی کا قول کہ اہل علم کے ہاں اس روایت پر عمل ہے اس روایت کے اصل کی قوت (صحت) کا تقاضہ کرتا ہے' اگر چہ انہوں نے سند کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہو۔

اور کتاب الطلاق کے فصل اول میں لکھا ہے ومما يصحّح الحديث ايضاً عمل العلماء على وفقه وقال الترمذی عقيب رواية حديث طلاق الامة ثنتان...... حديث غريب والعمل عليه عنداهل العلم من أصحاب رسول الله ﷺ وغيرهم (فتح القدير ۳/۱۴۳) علماء کا عمل بھی ان امور میں سے ہے جس کی وجہ سے حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے۔ امام ترمذی نے طلاق الامة ثنتان وعدتها حيضتان کے بعد فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے مگر صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کے ہاں اس پر عمل ہے۔

اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے تعقبات میں ایک اور مثال ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: وقال الترمذی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰)قدرأی ابن المبارک وغیرہ .

۳۔ صلوٰۃ التسبیح وذکروا الفضل فیه قال البیهقی فان عبداللّٰه بن المبارک یصلیها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وذلک تقویة للحدیث المرفوع (مقدمہ اعلاء السنن /۶۲)''کہ عبداللہ بن مبارک اور دوسرے اہل علم نے صلوٰۃ تسبیح کی ترغیب دی ہے۔امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ صلوٰۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور صالحین کے ہاں یہ نماز چلی آ رہی ہے۔اور اسی وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت ملی۔''

یہ چند روایات بطور نمونہ ذکر کئے گئے ورنہ اور بھی کافی ساری روایات ذخیرہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔جو سنداً ضعیف ہیں مگر تلقی بالقبول کی وجہ سے علماء نے ان کو صحیح کہا ہے۔تلقی الامۃ بالقبول ایسی دلیل صحت ہے کہ کبھی کبھی خبر تلقی الامۃ بالقبول کی وجہ سے ضعیف روایت تواتر کے حکم میں ہوجاتا ہے۔چنانچہ علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے احکام القران میں لکھا ہے۔ وقد استعملت الامة هذین الحدیثین وان کان وروده من طریق الاحاد فصار فی خیر التواتر لأن ما تلقاه الناس من اخبار الاحاد بالقبول فهو عندنا فی معنی التواتر

(احکام القرآن ۱/۳۸۶ بحواله مقدمه اعلاء السنن /۶۲)

ان دونوں احادیث کو امت نے معمول بھا بنایا ہے اگر چہ ان کا ورود بطریق الاحاد ہوچکا ہے مگر اس تعامل سے یہ روایات تواتر کے حکم میں داخل ہوئے اس لئے کہ لوگوں کا اخبار احاد کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہمارے ہاں تواتر کے معنی میں ہے۔تلقی الامۃ بالقبول سے حدیث ضعیف کا قابل احتجاج ہونے کا اصول علامہ صدیق بن حسن خان القنوجیؒ نے الروضۃ الندیۃ ۱/۶ میں بھی لکھا ہے۔

(3) مقدمہ ثالثہ: تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس طرح حدیث صحت سند اور تلقی الامۃ بالقبول کی وجہ سے صحت اور حسن کا مرتبہ پاتا ہے تو اسی طرح دوسرے قرائن شرع' مثلاً اجماع امت' شواہد اور توابع وغیرہ کی وجہ سے بھی ضعف روایت صحت کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔

اس لئے علامہ ابوالحسن بن الحصار المالکیؒ نے تقریب المدارک علی مؤطا مالک میں لکھا ہے: قد یعلم الفقیه صحة الحدیث اذا لم یکن فی سنده کذّاب بموافقة آیة من کتاب اللّٰه او بعض اصول الشریعة فیحمله ذلک علی قبوله والعمل به (تدریب الراوی ۱/۶۸) کبھی فقیہ کسی حدیث کی صحت کو صرف اس وجہ سے جان لیتا ہے کہ وہ روایت قرآنی آیت یا اصول شرعیہ کے موافق ہے اور وہ اس روایت کو قبول کرکے اس پر عمل کرلیتا ہے بشرطیکہ اس روایت کی سند میں کوئی کذاب راوی نہ ہو۔اور حافظ ابن حجرؒ نے اپنے استاد حافظ عراقیؒ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۱) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث فانّہ یقبل حتّٰی یجب العمل بہ (بحوالہ التعلیقات الحافلۃ علی الاجوبۃ الفاضلۃ ص۲۳۱)

علماء امت مدلول حدیث پر عمل کرنے پر متفق ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ اس پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ روایت اصول شرع کے موافق ہو اگرچہ اس کی سند میں کوئی کمزوری ہو تب بھی وہ روایت ان کے ہاں معمول بہا ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے محقق بن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ فان ضعف الاسناد غیر قاطع ببطلان المتن بل ظاہر فیہ فاذا تاید بما یدل علی صحتہ من القرائن کان صحیحاً (فتح القدیر۲/۸۷) سند کا ضعیف ہونا متن کے بطلان کی دلیل نہیں' بلکہ اس میں ظاہر ہے کہ جب اس صحت پر قرائن شرع میں سے کوئی قرینہ دلالت کرے تو وہ روایت صحیح کہلاتی ہے۔

(4)۔ مقدمہ رابعہ: چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ کسی بھی حدیث کو قطعی طور پر اس وقت تک ضعیف اور غیر معمول بہا نہیں کہا جا سکتا جب تک اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ ہو۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: واذا قیل ھذا حدیث صحیح فھذا معناہ ای ماتصل سندہ مع الاوصاف المذکورۃ فقبلنا عملاً بظاہر الاسناد لانّہ مقطوع بہ فی نفس الامر لجواز الخطاء والنسیان عن الثقۃ واذا قیل ھذا حدیث غیر صحیح (ضعیف) فمعناہ لم یصح إسنادہ علی الشرط المذکور لانّہ کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب واصابۃ من ھو کثیر الخطاء (تدریب الراوی بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن/۵۶)

جب یہ کہا جائے کہ یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ روایت ہے جس کی سند صفات مذکورہ کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے' تو ہم اس کو ظاہر سند کی وجہ سے قبول کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نفس الامر میں بھی یہ روایت صحیح ہے اس لئے کہ ثقہ راوی سے بھی خطاء اور نسیان کا احتمال ہے' اور جب کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کی سند مذکورہ شرائط کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچا لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ نفس الامر میں بھی یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ جھوٹے سے بھی سچ اور اصابت رائے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ضعیف حدیث بھی صحیح بن جاتا ہے جب اس کی صحت پر کوئی قرینہ دلالت کرے اور جب قرائن اس کے خلاف ہو تو صحیح حدیث پر بھی عمل ترک کیا جاتا ہے (اعلاء السنن/۵۶) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۲)

لہٰذا اب ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس روایت پر ضعف کا جو اعتراض کیا جاتا ہے۔وہ یہ ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے' اس لئے کہ اس روایت کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں۔تفرد به أبو شيبة ابراهيم بن عثمان العبسي وهو ضعيف کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی اس روایت میں متفرد ہے۔اور وہ ضعیف ہے(السنن الکبری۲/۴۹۶)

شیخ الاسلام علامہ ذھبیؒ فرماتے ہیں' ابراهيم بن عثمان ابو شيبة العبسي الكوفي قاض بواسط وجد ابي بكر بن ابي شيبة مروی عن زوج امه الحكم بن عتيبة وغيره كذّبه شعبة لكونه روى عن الحكم عن ابن ابي ليلى انه قال شهد صفين من اهل بدر سبعون فقال شعبة كذب والله لقد ذكرت الحكم فما وجدنا شهدصفين. احداً من اهل بدرغيرحزيمة:

قلت سبحان الله ' اما شهدها عليؓ ! اما شهد ها عمارؓ روى عثمانؓ لادارمي عن ابن معين ! ليس بثقة وقال احمد ضعيف وقال البخاري سكتو عنه وقال النسائي متروك الحديث .... الخ (ميزان الاعتدال ۱/۴۸)

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی واسط کا قاضی ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا' آپ نے اپنی ماں کے شوہر حکم بن عتیبہ وغیرہ سے روایت کی۔امام شعبہ نے آپ کی تکذیب اس وجہ سے کی ہے کہ آپ نے حکم بن عتبہ عن ابن ابی لیلیٰ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ جنگ صفین میں ۷۰ بدری صحابہ شریک ہوئے تھے' امام شعبہ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے' میں نے خود حکم بن عتیبہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے حضرت خزیمہؓ کے علاوہ کسی بدری صحابی کا صفین میں شرکت کا ذکر نہیں کیا۔علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ کیا حضرت علیؓ بھی شریک نہیں ہوئے تھے اور حضرت عمارؓ نے بھی شرکت نہیں کی تھی' عثمان دارمی نے امام ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابوشیبہ ثقہ نہیں ہے' امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ ضعیف راوی ہے' امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محدثین ابوشیبہ سے خاموش ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابوشیبہ متروک الحدیث راوی ہے۔یہ وہ اعتراض ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات اس کی اصلیت سے انکار کر بیٹھے۔مگر اس اعتراض کے جواب کے بارے میں علامہ محمد حسن فیض پوریؒ رسالہ تحفۃ الاخوان فی صلوٰۃ رمضان میں لکھتے ہیں۔(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۳)

ابراہیم بن عثمان کی توثیق:(الجواب) اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ اہل حدیث نے اس کو مجروح اور ضعیف کہا ہے اور اس کے ضعف پر اصرار کیا ہے مگر اس عاجز ہیچ مداں کے نزدیک یہ تمام جروحات خام اور غیر موثر ہیں اور افسوس صد افسوس ان اہل علم پر جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی اور کسی نے مخالف اور موافق سے غور اور تامل نہ کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چند اسباب جرح کے متعدد اور متکثر ہیں مگر مآل اور انجام کاران سب کا دوامر پر ہے۔اول جرح باعتبار عدالت اور تقویٰ کے اور دوسری جرح باعتبار حفظ اور ضبط کے اور میرے ناقص فہم میں ان محدثین کے جروحات سب کے سب عدالت کی طرف راجح ہیں۔حفظ اور ضبط کی طرف نہیں کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے ۱۷صفحہ ۶۸ میں اس کو حافظ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے : **ابراھیم بن عثمان ابو شیبة الحافظ انتھی** لہٰذا جب اس کے بارے میں لفظ حافظ مسلم ہوا تو اب باقی جروحات ان اہل حدیث کے سب عدالت کی طرف راجح ہے جبکہ یہی امر معہود متعین ہو چکا تو میں کہتا ہوں کہ جرح باعتبار عدالت کے بھی اس کے حق میں خام اور غیر موثر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جن اہل علم نے عدالت کے رو سے اس کو متروک اور ضعیف کہا ہے تو وہ سب جروحات مبہم اور غیر مفسر ہیں اور مدار ان سب کا مفسر طور پر فقط ایک ہی جرح پر ہے وہ یہ کہ ان میں سے شعبہ بن حجاج نے سب سے مقدم اور مبین السبب جرح فرمائی ہے یعنی جو کہ شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ نے لکھی ہے **وھو قولہ کذبہ شعبة لکونہ روی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدرسبعون فقال شعبة کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شھد صفین من اھل بدر غیر حزیمة** اور باقی محدثین شعبہ کے تبع اور مقلد ہیں اور سب کے سب اسکے بعد ہیں۔کوئی جارح ابوشیبہ کا معاصر نہیں بجز شعبہ کے تو جروحاتِ عدالت کا مدار شعبہ کی کلام پر رہا جب یہی امر ممہد متعین ہو چکا تو میں کہتا ہوں کہ یہ جرح اگر چہ مفسر اور مبین السبب ہے مگر اس قدر کی جرح سے ابوشیبۃ متروک قرار دینا اور من کل الوجوہ ضعیف کہنا غلط اور بے انصافی ہے کیونکہ اس قسم کی جرح از قبیل سہو اور نسیان ہے اور وہ چنداں خارج نہیں ورنہ ابن حجاج بلکہ خود حکم بن عتیبہ کذاب اور متروک قرار دیا جاوے گا کیونکہ ان سے بھی اس قسم کی غلطی سرزد ہوئی ہے۔اسلئے شعبہ اور حکم اس بات کے قائل ہیں کہ صفین میں بجز خزیمہؓ کے اہل بدر میں سے کوئی معاصر نہ تھا حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ دونوں صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے اس واسطے شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ نے شعبہ کے جواب میں کہا کہ **سبحان اللہ أما شھدھا علیؓ اما شھدھا عمارؓ انتھی** اب اگر اس قدر سہو اور ذہول کے سبب ابوشیبہ متروک قرار دیا جائے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۴) تو چاہیے کہ شعبہ بن حجاج اور حکم بن عتیبہ بھی متروک قرار دے جاوے لـلـعلة الواحدة الجامعة فیھـم وھـی عـدم حفظ اصحاب بدر' اب شعبہ بن حجاج کو امیر المومنین قرار دینا اور حکم بن عتیبہ کو اجماعی امام ثقہ کہنا اور ابوشیبہ کو ضعیف قرار دینا مع اتحاد سبب الجرح فیھم انصاف سے بعید ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ابوشیبہ کی بہ نسبت شعبہ اور اسکے شیخ حکم بن عتیبہ کی غلطی سخت ہے اور اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ایام میں بہت سارے بدری صحابہ کرامؓ زندہ تھے۔

منھم رفاعة بن رافع مات فی اولّ خلافة معاویة ' ابولبابة الانصاری عاش الی خلافة علی ' أبـوطلحة الانصاری مات سنة اربع و ثلاثین و قال ابوزرعة عاش بعد النبی ﷺ اربعین سنة ' سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مات سنة خمسین او بعد ھا ' سھل بن حنیف مات فی خلافة علی' عبداللّٰہ بـن مسـعـود مات سنة اثنین وثلاثین ' أبو مسعود البدری مات قبل الاربعین' عبادةبن الصامت مات سـنة ثـلاثین ' عتبان بن مالک مات فی خلافة معاویة' مالک بن ربیعة ابو السید مات سنة ثلاثین او بعدھا اب یہ تمام صحابہ اور ان کے سواء دوسرے بدری صحابہ زندہ تھے کل ذلک من التقریب'

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بنسبت اور بدریوں کے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کا صفین میں ہونا اظھـــــر مـــن الشمس تھا اور ہر فرد بشر ادنٰی اور اعلٰی ذی علم میں سے اس بات کا خوب واقف ہے اور شعبہ اور حکم ان سے بھی غافل ہیں۔ اب باوجود ایسی سخت غلطی کے جب شعبہ اور حکم مجروح نہیں تو ابوشیبہ بھی مجروح نہ ہو۔ اوھو المطلوب اسی واسطے خاتم المحد ثین اور ہمارے پیران پیر اور شیخ شیخ الشیخ اغنی شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ نے رسالہ تراویح میں لکھتے ہیں کہ حالانکہ ابوشیبہ ان قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود' اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات خاتم المحد ثین کی راست اور درست ہے۔ (رسائل ستۃ ضروریۃ ص۲۰۰ تا ۲۰۲)

اور میں کہتا ہوں کہ علامہ فیض پوریؒ کا یہ کلام قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو مجروح ثابت کرنے میں کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ امام ابن عدیؒ آپؒ کے متعلق فرماتے ہیں لـــه احـادیـث صـالـحة وھـو خیر من ابراھیم بن ابی حیه (تھذیب التھذیب ۱/۱۴۵) اسی طرح امام بخاریؒ کے استاد الاستاذ یزید بن ھارون جو نہایت ثقہ اور اعلٰی درجہ کے حافظ حدیث ہیں۔ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے بڑے مداح تھے' آپ فرمایا کرتے تھے ماقضیٰ علی الناس یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه (تھذیب التھذیب ۱/۱۴۵)

یعنی ہمارے زمانے میں ان سے زیادہ عادل کوئی قاضی نہیں تھا۔ یہاں یہ بات گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یزید بن ہارون سے بڑھ کر ابراہیم بن عثمان کا پرکھنے والا اور ان کے حالات سے باخبر ان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۵) جارحین میں کوئی بھی نہیں ہے۔اس لئے کہ یزید بن ہارون ان کے محکمہ میں کاتب یعنی ان کے منشی تھے۔وہ ابوشیبہؒ کی عدالت' تقویٰ للّٰہیت سے خوب واقف تھے۔اس لئے یزید کی شہادت ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے علم اور دیانت داری دونوں میں زبردست شہادت ہے۔اور ویسے بھی کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لئے دو باتیں لازمی طور پر دیکھی جاتی ہیں۔ایک تدین (دینداری)' دوم اس کا قوت حافظہ' یزید بن ہارون کی شہادت کے بعد اب تو ابراہیم بن عثمان کے تدین میں تو کوئی شک باقی نہیں رہا۔اور حافظ ابن حجرؒ اور ابن عدیؒ کی شہادت سے اس کا حافظہ بھی معلوم ہوا۔ان دونوں امور کے ثابت ہونے کے بعد اس کو اس حد تک ضعیف قرار دینا جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ حدیث کو نا قابل استدلال قرار دیا جائے۔اس کے علاوہ امام شعبہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت لیتے تھے' اور تہذیب التہذیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ سے امام شعبہ نے روایت لیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کرلیا ہوگا' اب اگر شعبہ کے رجوع کو مان لیا جائے تو راوی ابوشیبہ ثقہ ہوا اور اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوا جس کی وجہ سے وہ درجہ حسن میں آئے گا اور درجہ حسن کی روایت بھی قابل احتجاج ہے۔اس لئے یہ روایت صرف شعبہ کے جرح سے نا قابل استدلال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ اگر بالفرض ان حضرات کی جرح کو مان لیا جائے اور ان کی وجہ سے ابراہیم بن عثمان کو ضعیف قرار دیا تو صرف اس سے روایت کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔اس لئے کہ اس کی تائید میں عہد فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل اور ائمہ مجتہدین کے اتفاق رائے جیسے قوی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں۔جس کی وجہ سے یہ روایت قابل احتجاج ہے' مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے خود ایک موقعہ پر اعتراف کیا ہے کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹ اراپریل ۱۹۰۷ء بحوالہ بیس تراویح کا ثبوت ص۴)

<u>غیر مقلدین کی ناانصافی:</u> تلقی بالقبول پر مزید تفصیلی بحث کرنے سے قبل حضرات غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے' کہ تراویح کے مسئلہ میں تو احناف کے مستدل حدیث بالا پر ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سخت ضعیف ہے' اس سند کو پیش کرنا بدنامی اور حماقت ہے۔مگر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے ثبوت میں مشہور غیر مقلد حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب صلوۃ الرسول کے صفحہ ۴۴۳ پر اسی راوی کی روایت بحوالہ ابن ماجہ پیش کی ہے۔وعن ابن عباس أنّ النبیّ ﷺ قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب (ابن ماجة) کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۶)اور ابن ماجۃ میں اس روایت کی سند یوں ہے' حدثنا أحمد بن منیع ثنا زید بن الحباب ثنا إبراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس أنّ النبیّ ﷺقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب (ابن ماجہ ص۱۰۷)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ضعیف راوی نہیں لیکن اگر ان محدثین کی بات مان لی جائے تو بعض کے توثیق اور بعض کی تضعیف سے اس کو مختلف فیہ راوی مان لیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا کہ ایک ضعیف روایت تلقی بالقبول کی وجہ سے بھی قابل استدلال اور صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی اس روایت کو امت مسلمہ نے معمول بھا قرار دیا ہے اور دور صحابہ سے لے کر آج تک اسی روایت پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اور بیس رکعات تراویح کا عمل خیر القرون سے آج تک منقول ومشاہد ہے' خلفاء راشدین' صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال' افعال اور فتاویٰ اس روایت کے مؤید ہیں ہم نے مقدمہ ثالثہ میں یہی ذکر کیا ہے کہ ایک حدیث ضعف سند کے باوجود قرائن شرع کی تائید سے صحیح اور قابل احتجاج بن جاتا ہے اور یہاں پر قرائن شرع یعنی اجماع صحابہ' تعامل امت اور ان کا اتفاقی عمل اس روایت کے مؤید ہیں' ذیل میں بعض آثار اور تائیہ قرائن ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو سکے۔

<u>دور فاروقی میں بیس رکعات تراویح</u>: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں باقاعدہ طور پر نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا اور اس وقت سے لوگوں نے باقاعدہ طور پر بیس رکعات تراویح کا اہتمام کرنا شروع کیا۔

(۱) چنانچہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں: کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر ۔ حضرت عمرؓ کے خلافت کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔(معرفۃ السنن للبیھقی ص ۳۶۷)اس روایت کی سند پر امام نوویؒ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے(شرح المھذب) علامہ سبکیؒ علامہ جلال الدین سیوطیؒ ملا علی قاریؒ نے بھی اس کی سند کی تصحیح کی ہے۔

(۲) اسی طرح یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ أنّ عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلّی بهم عشرین رکعة بیشک حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

(۳) اسی طرح یزید بن رومان سے مروی ہے کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة (موطا امام مالک ص۴۰) کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں رمضان میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۷)(۴)عن الحسن أنّ عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلّی بھم عشرین رکعة حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا اور وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

(۵) عن ابی بن کعب ان عمربن الخطاب امرہ ان یصلّی باللیل فی رمضان فصلّی بھم عشرین رکعةً (کنز العمال ۸/۲۶۴) حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عمرؓ نے اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں رات کو (تراویح) پڑھائے اس لئے اس نے لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کے بیس رکعات پڑھانے کی تحقیق کے ثبوت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں قدثبت أنّ ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة ویوتر بثلاث فرای اکثر من العلماء أنّ ذالک ھو السنة لامة قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ ۲۳/۱۱۲)

یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے۔اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے مہاجرین اور انصار (بیس رکعات پڑھتے تھے) اور کسی منکر نے بھی انکار نہیں کیا۔

دورعثمانی میں بیس رکعات تراویح: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (السنن الکبریٰ ۲۹۲/۴) اسی طرح علامہ عینیؒ نے لکھا ہے وفی روایة لہ (سائب بن یزید) وعلی عھد عثمان وعلیؓ مثلہ (البنایة ۳/۱۰۱) کہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی بیس رکعات پڑھتے تھے دورفاروقی کی طرح عہد عثمانی میں بھی کسی نے بیس رکعات تراویح پر تنقید نہیں کی اور نہ اس کو بدعت کہا ہے" گویا اس دور میں سب مسلمانوں کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق رہا۔

دور مرتضوی میں بیس رکعات تراویح: اسی طرح دور مرتضوی (حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت) میں بھی اسی پر مواظبت رہا' حضرت علیؓ نے خود قرأ کو بیس رکعات تراویح پڑھانے پر مامور فرمایا تھا۔(۱) عن أبی عبدالرحمن السلمیؒ عن علیّ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلاًیصلّی بالناس عشرین رکعة وکان علی یو تربھم (سنن کبریٰ للبیہقی ۲/۴۹۶) کہ حضرت علیؓ نے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرے اور خود حضرت علیؓ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۸)(۲) عن ابی الحسن ' انّ علیّا امر رجلاً یصلّی بھم فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)ابوحسن سے روایت ہے کہ بیشک حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو مامور کیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

دیگر صحابہ کرام وتابعین کا عمل: دور خلفاء ثلاثہ کے علاوہ بعد کے ادوار میں بھی قریباً جمیع صحابہ کرام کا بیس رکعات پڑھنے کا عمل تھا۔چنانچہ امام حسن بصریؒ عبدالعزیز بن رافع سے روایت کرتے ہیں:

۱. کان أبی بن کعب یصلّی بالناس فی رمضان بالمدینة بعشرین رکعة ویوتر بثلاث(مصنف ابن ابی شیبة ۲/۲۸۵) ''کہ ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں رمضان مبارک میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے۔''

۲.عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعة بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ۲/۲۹۳) ''حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔''اس روایت میں الناس سے مراد صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔

۳۔ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم أنّ الناس کانوا یصلّون خمس ترویحات فی رمضان (کتاب الاثار لابی یوسف۴۱) ''ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ سب لوگ (تابعین وتبع تابعین) رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔''

ان آثار اور تعامل کے علاوہ مزید روایات وآثار کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ' قیام اللیل' سنن کبریٰ للبیھقی اور آثارالسنن مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرامؓ کے آثار کتب حدیث میں موجود ہیں۔اسی وجہ سے شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں: قلت والاثار فی الباب اکثر من ان تحصی (اوجز المسالک۲/۵۳۵) میں کہتا ہوں کہ اس باب میں اتنے آثار ہیں جو گنے نہیں جاسکتے (یعنی بہت زیادہ ہیں)

اجماعی ثبوت: اوراسی پر صحابہ کرامؓ 'تابعین اورائمہ مجتہدین کا اجماع ہے۔چنانچہ علامہ بدرالدین العینیؒ نے لکھا ہے: والیہ ذھب من التابعین ابن ابی ملیکة' وعطاء وابو البختری والحارث الھمدانی وسعید ابن ابی الحسن ' اخوالحسن البصری وعبد الرحمن بن ابی بکروغیرھم قالاابن عبدالبروھوقول جمھور العلماء وبة قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة (بحوالہ معارف السنن ۵/۵۴۲)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)